ہفت روزہ

الفتح

کراچی

۷ - ۱۴ دسمبر

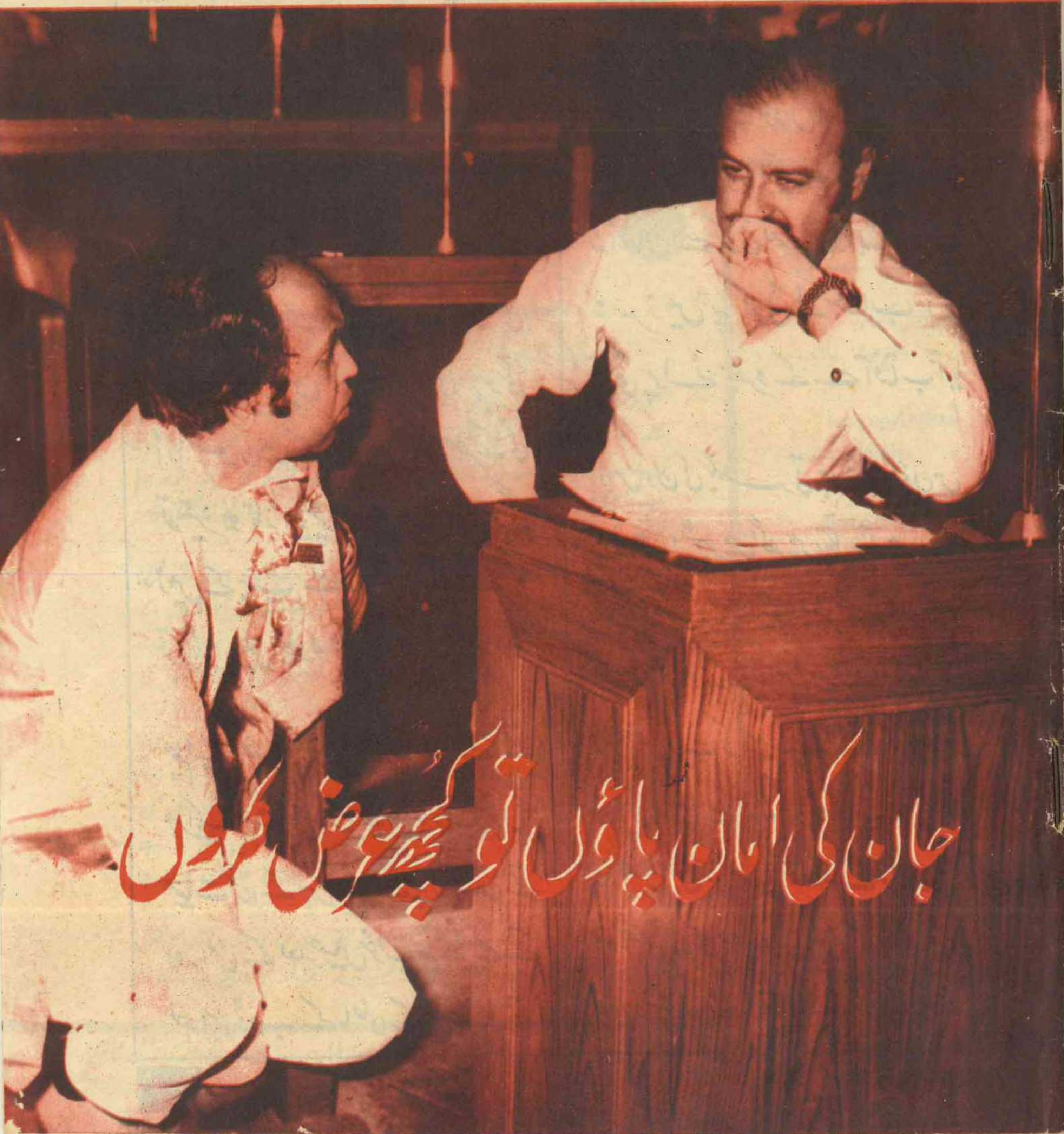
(۱۹۷۲)

قیمت: ۷۵ پیسے

ہوائی ڈاک: ایک روپیہ

پرائیویٹ ہسپتال

پردہ چاک



ہم اپنے خواب کی تعبیر ڈھونڈتے ہیں ابھی

شبنم مناروی

عجیب شخص تھا وہ جس نے ہم کو جھٹکے سے
طویل خواب سے چونکا دیا، کہا "اٹھو
تمہارے شہر میں بھونچال آنے والا ہے
یہ اونچی اونچی عمارات ٹوٹ جائیں گی!
تو جھونپڑوں میں نمودار زندگی ہوگی
اُداس رات کے آنگن میں آگ بھڑکے گی
تو تیرہ و تار دریچوں میں روشنی ہوگی
زمیں کے پیٹ سے لاوا اُبل کے نکلے گا
تو ریگزار میں پھولوں کی فصل مہکے گی"

ہم اپنے سر پہ کفن باندھ گھر سے نکلے تھے
ہر ایک سمت دُھواں تھا، غبار تھا، خوں تھا
حیات بن کے ہر اک راستے پہ رقصاں تھے
اور اس کے بعد حسیں خواب ہم نے دیکھے تھے
لہو میں ڈوب کے ماضی کے در سے نکلے تھے

حسین خواب ابھی ذہن پہ مسلّط ہیں
اور اونچی اونچی عمارات ہم پہ ہنستی ہیں
ہر ایک سمت سے طوفاں امنڈتے آتے ہیں
نہ کوئی معجزہ دیکھا، نہ زلزلہ آیا
نہ آسماں سے کوئی نعمت بقا اُتری
نہ سرزمیں پہ کوئی لمحۂ حساب آیا
اُسی پرانے جھروکے سے آفتاب آیا

اداس دن کی بکھرتی ہوئی شعاؤں میں
ملوں میں، شہر میں، گھر میں پکارتے ہیں اسے
وہ شخص ہم کو کہیں بھی نظر نہیں آتا
اُسے نہ ڈھونڈو نظام کہن کے پردے میں
وہ شخص رات کی ہیبت سے ڈر گیا ہوگا
وہ اپنی موت سے پہلے ہی مر گیا ہوگا
وہ شخص جس کو سجایا تھا ہم نے خوابوں میں
وہ شخص اونچی فصیلوں میں گھر چکا ہوگا
وہ روشنی کا منارہ تھا ــــــ گر چکا ہوگا

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

مدیر
وہاب صِدّیقی

۷-۱۴ر دسمبر ۱۹۷۲ء

قیمت : ——— ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے : ——— ایک روپیہ

جلد:- ۳ شمارہ:- ۳۰

خاص مضامین

فون:- ۴۱۲۲۷۴

ادارِیہ

بلوچستان میں سرداروں کی لڑائی

بلوچستان میں حالات تیزی سے ابتری کی جانب لے جانے کا عمل زوروں پر ہے۔ مرکز اور صوبے کے درمیان اختلافات کھل کر سامنے آگئے ہیں۔ بزنجو، ولی اور مینگل کے بیانات کی تلخی اور تند و تیز حملے متوقع طوفان کی نشان دہی کر رہے ہیں۔ راولپنڈی سے جاری ہونے والے اعلامیئے راوی ہیں کہ ایک طرف مسلح قبیلے کوئٹہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے مسلح فوج طلب کر لی گئی ہے۔ فرنٹیئر کور کے دستے بھی متعین کر دیئے گئے ہیں۔

اب تک جو اشارے مل سکے ہیں، ان کی رُو سے فساد اس وقت شروع ہوا جب پٹ فیڈر کے علاقے میں مسلح قبائلیوں نے پنجاب کے آبادکاروں کے گاؤں پر حملہ کیا۔ شہریوں کو ہلاک و زخمی کیا۔ مویشی چھین لئے، انہیں زبردستی گھر سے نکال دیا چنانچہ امن و امان برقرار رکھنے کیلئے صوبے نے مرکز سے فوج بھیجنے کی درخواست کی جسے منظور کر لیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ ان ہنگاموں کے پیچھے اکبر بگٹی کا ہاتھ ہے۔ وہ اِن دنوں ملک سے باہر ہیں اور واپسی سے پہلے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اس کے لئے پنجابی آبادکاروں کو منتخب کیا اور نیپ کو اس کی اپنی زبان میں جواب دیا۔ یہ تمام جھگڑا مخصوص مفاد کے پیشِ نظر ہو رہا ہے اور اس کا مطلب سرداروں کی باہمی لڑائی کی آڑ میں جمہوری طاقتوں کو کچلنا ہے۔ برسرِ اقتدار سرداروں اور اِن سرداروں کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے جو اقتدار سے محروم ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کشمکش کا کسی بھی طریقے سے عوامی مفادات کا تحفظ نہیں بلکہ علاقائی تعصب کا وہ نعرہ ہے جو نیپ کے اقتدار کا ذریعہ بنا جسے،

ارشاد راؤ پبلشر نے حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ الفتح - ۸۷ ڈی، ترسری کمرشل ایریا پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹ سے شائع کیا

اب اکبر بگٹی نے اپنے مقاصد پورے کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔

بلوچستان میں نیپ کے اقتدار سے لے کر آج تک جو کچھ ہوا ہے یا ہونے والا ہے، اُسے نیپ کی حکمتِ عملی کی بدترین مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ نیپ میں پاکستان پیپلز پارٹی کی طرح مخلص کارکنوں کی کمی نہیں مگر اِسے مادر وطن کی بدقسمتی ہی کہا جاسکتا ہے کہ سوشلزم کے نام پر اقتدار حاصل کرنے والی ان دونوں جماعتوں نے اپنی پارٹیوں کے منشور جاگیرداروں اور سرداروں کی بھینٹ چڑھا دیئے۔ سرحد اور بلوچستان خوانین اور سرداروں کی عوام دشمن سرگرمیوں کے مرکز بنے ہوئے ہیں۔

نیپ سے عوام دوست طاقتیں یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ سوشلزم کی وہ کونسی قسم ہے جس کی رُو سے مزدور کو مزدور، کسان کو کسان اور مظلوم کو مظلوم سے پنجابی، پٹھان بلوچ، مہاجر یا سندھی ہونے کی پاداش میں ایک دوسرے سے لڑایا جارہا ہے۔ سرحد میں کسانوں کا قتل عام اور بلوچستان میں جھل جھاؤ کے چھوٹے زمینداروں اور کسانوں پر مظالم کا نتیجہ یہی ہوسکتا ہے کہ اکبر بگٹی جیسا سردار اپنے مقاصد کے لئے مسلح بغاوت پر تل گیا ہے۔ اور اب قبائلی لڑائی کی آڑ میں نیپ کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کا پروگرام بنا چکا ہے۔ ان حالات میں مرکز کے لئے مداخلت کی گنجائش نکل آئے گی۔ مرکز اس ضمن میں "مضبوط مرکز" کی پالیسی پر عمل کرے گا تو اس کے نتائج بہت خطرناک ثابت ہوں گے اور عین ممکن ہے کہ وہاں بنگلہ دیش جیسے حالات پیدا ہو جائیں۔ حکمتِ عملی غلط ہوئی، حالات کا صحیح اور مثبت انداز میں مقابلہ نہ کیا گیا تو پاکستانی عوام مسلم بنگال کے بعد مسلم بلوچستان پر نوحہ کناں ہوں گے۔ مرکز کو محتاط رویہ اختیار کرنا ہوگا۔ بلوچستان کے عوام کے احساسات کا احترام ضروری ہے۔

پیپلز پارٹی کا کنونشن

پیپلز پارٹی کا کنونشن پارٹی میں دائیں بازو کی زور آزمائی کا مظہر ثابت ہوا۔ جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور موقع پرستوں پر مشتمل دائیں بازو نے اپنی مکمل توانائی، بھرپور طاقت اور قوت اقتدار کے بل بوتے پر پارٹی میں بائیں بازو یا روشن خیال کارکنوں کو یکا و تنہا کرنے کی کوشش کی ہے کنونشن میں جن افراد کو مدعو کیا گیا تھا، اُس کے پیشِ نظر بائیں بازو کے کارکنوں کے رہنماؤں میں سے بعض نے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا مگر ان میں سے کچھ ایسے رہنما بھی تھے جو ایمانداری کے ساتھ یہ رائے رکھتے تھے کہ کنونشن میں شریک ہوکر اپنی بات کہہ دیں، باہر رہنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا چنانچہ وُہ کنونشن میں شریک ہوئے۔ تقریریں کیں اور پھر اُن کا جواب بھی وصول پایا۔

کنونشن کے دوران اور اس کے فوری بعد نام لے کر اور نام لئے بغیر پارٹی کے بائیں بازو یا روشن خیال کارکنوں اور رہنماؤں پر حملے شروع کر دیئے گئے چنانچہ انتہائی ذمہ دار شخصیت نے بھی نام لئے بغیر ایک ایک کر کے اپنی ہی پارٹی کے ان کارکنوں پر الزامات عائد کئے جو جانشینی کے اعلیٰ ترین منصب کے مستحق قرار پاتے تھے۔ اب یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ پیپلز پارٹی پر کون سا بازو حکومت کرے گا۔ اسے دائیں اور بائیں بازو کے موقع پرستوں پر مشتمل ٹولے کا نام دیا جا سکتا ہے جو خوشامدیوں، جاگیرداروں، سرمایہ داروں یا ان کے ایجنٹوں کا ایک گروہ ہے۔ اس طرح عام کارکنوں کے مفادات سلب کرنے کی سازش پر عمل شروع ہو چکا ہے۔

خوش فہمیوں کا جال ٹوٹ رہا ہے۔ لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ عوامی جمہوریت کے لئے تمام مخلص کارکنوں کا متحدہ محاذ بلاتاخیر قائم ہوجانا چاہیئے۔

پیپلز پارٹی میں تطہیر کا کام شروع ہو چکا ہے







پیپلز پارٹی آرمی اسٹیڈیم کے پنڈال سے باہر تھی

الفتح رپورٹ

پاکستان پیپلز پارٹی کے "قومی کنونشن" میں "پارٹی" اور حکومت کے درمیان کوئی تصادم نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ کنونشن میں پارٹی کو مدعو ہی نہیں کیا گیا تھا بلکہ برسر اقتدار طبقے نے اپنی پالیسیوں پر مہر ثبت کرانے کے لئے ایسے افراد کو راولپنڈی طلب کیا تھا جو آمریت کے خلاف عوام کی مثالی جدوجہد کے دوران ایوب اور یحییٰ کے دوش بدوش کھڑے تھے۔ ان میں وہ چہرے بھی نمایاں نظر آئے جنہوں نے سابقہ حکومتوں کے ساتھ مل کر عوام پر بے پناہ مظالم ڈھائے تھے۔ وہ ون یونٹ میں وزارتوں پر فائز تھے اور اب پیپلز پارٹی کے صفِ اوّل کے "رہنما" کی حیثیت سے پیش پیش تھے۔ انہوں نے پیپلز پارٹی کی جدوجہد میں ذرہ برابر حصہ نہیں لیا۔ وہ یحییٰ خاں کے زوال تک عوام دشمن صفوں میں تھے اور جوں ہی اقتدار منتقل ہوا، وہ اقتدار کے ساتھ ہو گئے اور اس کنونشن کی نہ صرف خود زینت بنے بلکہ ان تمام افراد کو جمع کر لیا جو ان کے جی حضوری تھے۔

اس عالم میں پیپلز پارٹی "پنڈال" یا یوں کہیے کہ آرمی اسٹیڈیم کے باہر تھی۔ کنونشن کے آغاز سے قبل راولپنڈی میں ہزاروں ایسے کارکن جمع ہو گئے تھے جنہوں نے اس پارٹی کی بنیاد کو اپنے خون سے سینچا تھا۔ جیلوں میں گئے تھے اور پولیس کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے تھے۔ برسر اقتدار آنے کے بعد حکومتی گروہ نے انہیں خاطر میں نہ لایا لیکن پارٹی سے وابستگی انہیں کشاں کشاں دارالحکومت لے آئی۔ وہ اپنی قربانی اور خلوص کے اس ثمر سے لطف اندوز ہونے والوں کو یہ جتانا چاہتے تھے کہ طبقاتی رشتوں نے انہیں کہاں لا کھڑا کیا۔ یہاں ایک بڑھیا سے ملاقات ہوئی۔ یہ راولپنڈی کی رہنے والی ہیں بچوں کو قرآن پڑھاتی ہیں اور استانی جی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ پیپلز پارٹی کے شیدائیوں میں سے ایک تھیں۔ انتخابات کے دنوں میں "میرے بیٹے بھٹو کو ووٹ دو، میرا بیٹا ہی اس ملک کی کایا پلٹ سکتا ہے۔ بھٹو اور صرف بھٹو آئے گا" کا ورد کرتی تھیں۔ جو بھٹو کی مخالفت میں ایک لفظ بھی کہہ دیتا، اُسے استانی جی سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتی تھی۔

استانی جی کنونشن میں شرکت کی متمنی نہیں تھیں لیکن گھوم پھر کر حالات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اب تک ذاتی طور پر بعض تلخ تجربات سے بھی دوچار ہو چکی ہیں، وہ مایوسی کی تصویر بنی ہوئی تھیں، اب ان کی زبان گنگ ہو چکی تھی۔ وہ اپنے آپ سے بیزار نظر آتی تھیں اور نجانے بار بار ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کیا کہہ رہی تھیں کہ لوگ انہیں منع کر رہے تھے کہ اُستانی جی، بیٹوں کے لئے ایسے کلمات تو نہ کہو۔ تمہیں دُکھ پہنچا ہے صبر کرو۔ یہ دن بھی بیت جائیں گے۔

استانی جی، ایک ہی نتیجے پر پہنچی ہیں۔ غریب، غریب کا ساتھی، امیر، امیر کا ساتھی ہوتا ہے۔

کنونشن اگلے روز شروع ہونا تھا، ریلوے اسٹیشن پر گورنر سندھ میر رسول بخش تالپور کی بوگی کھڑی تھی۔ پولیس کے پانچ چھ سپاہی اور افسر پہرہ دے رہے



تھے لیکن میر صاحب ان تمام پابندیوں سے بے نیاز ان کارکنوں میں گھرے ہوئے تھے جو ایوب اور یحییٰ آمریت کے خلاف عوامی جدوجہد میں میر صاحب کے دوش بدوش لڑے تھے۔ ٹھٹھہ میں ان پر کوڑے برسائے گئے تھے۔ حیدر آباد کی جیل میں انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ کراچی کی سڑکوں پر ان کا خون بہا تھا۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے انہیں نیست و نابود کرنے کے لیے تمام ذرائع استعمال کیے تھے۔ آج یہ جیالے بہادر

میر رسول بخش تالپور خاموشی سے بوگی میں چلے گئے

اور سرفروش کارکن گورنر سندھ کے سامنے مجسم سوال بنے ہوئے تھے۔ وہ چپ تھے کہ میر صاحب ان کے دلوں کی دھڑکنوں سے واقف تھے اور میر صاحب چپ تھے کہ وقت کا تقاضا یہی تھا۔ سردی کے سائے تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ سردی سے پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس کارکنوں کے جسم ٹھٹھرنے لگے تھے۔ بوگی کا احاطہ تنگ تھا۔ میر صاحب خاموشی سے خدا حافظ کہہ کر بوگی میں چلے گئے اور راولپنڈی کی یہ رات سندھ کے ان کارکنوں کو معراج کے گھر کا شدت سے احساس دلا رہی تھی۔ اب ان کے لئے یہی ایک راستہ رہ گیا تھا، جہاں وہ آج بھی بلا روک ٹوک جا سکتے تھے اور جس گھر کے دروازے ان کا استقبال کرنے کیلئے پہلے کی طرح سے کھلے ہوئے تھے۔

سندھ کے کارکن معراج کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں طارق عزیز بھی تھے۔ انہیں بھی مندوب کی حیثیت سے دعوت نامہ نہیں ملا تھا۔ شاید اس لئے کہ اس نے

ملتان کا شیر یادِ ماضی کے عذاب میں مبتلا تھا

پاکستان پیپلز پارٹی کے لئے اپنی جان تک نچھاور کرنے سے دریغ نہیں کیا تھا۔ وہ ابتدائی کارکنوں میں سے تھا۔ اور پارٹی سے اس کی وفاداری کے نقوش ہر شہر اور ہر گاؤں میں آج بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ تھانہ میں فائرنگ، اس کی وفاداری کا زندہ جاوید ثبوت ہے۔ اس کے باوجود اُسے مدعو نہیں کیا گیا تھا شاید اس لئے کہ وہ نووارد نہیں تھا۔ وہ کسی بھی وقت کنونشن لیگ میں نہیں رہا۔ اس نے آمروں کی حمایت نہیں کی اور اصولوں کے لئے لڑتا رہا۔

سندھ والے، پنجاب کے طارق عزیز کو اس حالت میں دیکھ کر مطمئن ہو گئے کہ وہ اکیلے نہیں، اور بھی ہیں جن میں طارق عزیز بھی ہے! پنجاب سے طارق عزیز اکیلا نہیں تھا۔ پنجاب کے بہادر کارکنوں نے شیخ رشید کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ وہ تاج محمد لنگاہ کو پکڑے ہوئے تھے۔ شیخ صاحب پریشان تھے، کیا کہیں، کیا نہ کہیں میر رسول بخش تالپور اور شیخ رشید ایک ہی صف میں کھڑے دکھائی دیتے کوئی کہہ رہا تھا، پنجاب سے سترہ سو مندوبین کو دعوت نامے جاری کیے گئے ہیں۔ بڑی مشکل سے شیخ صاحب کو سو دعوت نامے مل سکے ہیں۔ اب وہ انہیں کس کی دلجوئی کے لئے استعمال کریں۔ ضیاء الدین بٹ ان کا منہ دیکھ رہے ہیں۔ کسان رکن ورطۂ حیرت میں پڑے ہوئے ہیں۔ چلو جی، سو انقلابی تے اندر جان گے (سو انقلابی تو اندر جائیں گے)

اس جملے میں کتنی حسرت ہے۔ مایوسی ہے اور قناعت ہے۔

راولپنڈی میں محمود نواز بابر سابق صدر پاکستان پیپلز پارٹی ملتان کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ وہ بڑی تیزی میں ہیں۔ کنونشن سے لاتعلق کے اظہار کے باوجود ان کے ذہن میں وہ تعلقات متصادم ہیں جن کی بدولت ملتان میں پیپلز پارٹی نے پاؤں جمائے، پھلی اور پھولی اور چیئرمین بھٹو نے محمود نواز بابر کو شیر ملتان کا خطاب دیا مگر بابر تو معتوب ہے۔ وہ متعدد مقدمات میں ماخوذ ہے۔ اس کی رکنیت معطل ہو چکی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ لاتعلق ہو گئے ہیں مگر راولپنڈی انہیں لانے کے محرکات کیا ہیں۔

یادِ ماضی عذاب ہے یارب

پیپلز پارٹی کے اس کنونشن سے لوگوں نے بڑی توقعات وابستہ کی تھیں مگر ان سب پر پانی پھر چکا تھا۔ کنونشن میں جن لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ ان کا انتخاب پارٹی کے مستقبل کے پروگرام اور ڈھانچے کی عکاسی کر رہا تھا۔ اور جن ابتدائی کارکنوں کو نظر انداز کیا جا چکا تھا، وہ اس امر کی غمازی کر رہا تھا کہ پیپلز پارٹی میں تطہیر کا عمل شروع ہو چکا ہے ایک منصوبے کے تحت پرانے کارکنوں کی جگہ ان پرانے کنونشنی گرگوں کو بھرتی کیا جا چکا ہے جو ایوب آمریت کے ستون تھے۔

پارٹی کنونشن اتحاد کا مظہر نہ بن سکا بلکہ ابتدائی تجزیے کے مطابق بائیں بازو کے موقع پرست اور دائیں بازو کے موقع پرست متحد ہو گئے ہیں اور انہوں



نے اقتدار کا محاصرہ کر لیا ہے۔ انہوں نے اپنی صفوں سے بائیں بازو کے سچے، ایماندار اور مخلص کارکنوں کو باہر نکالنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور انہیں انتہا پسند قرار دیکر عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ بائیں اور دائیں بازو کے موقع پرستوں کا یہ اتحاد کھلا چیلنج بن کر پاکستانی عوام کے لئے نئی راہیں متعین کر رہا ہے۔

ان حالات میں ضروری تھا کہ بائیں بازو کی سوچ رکھنے والے کارکن اس کنونشن کے بارے میں واضح نقطۂ نظر پیش کریں، مصلحت اور بزدلی کے مظاہرے کی بجائے صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کر کے عوام کا اعتماد حاصل کریں۔ چنانچہ معراج محمد خان نے کنونشن کا بائیکاٹ کیا۔ ان کا درجِ ذیل بیان روزنامہ جنگ سے منقول ہے۔

راولپنڈی ۲۹ نومبر (نمائندہ جنگ) سابق وزیر

باقی صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں



بنگلہ دیش

• اقوامِ متحدہ کی رکنیت کے لئے عوامی جمہوریہ بنگلہ دیش کی درخواست اور اِس سلسلے میں سلامتی کونسل کی خصوصی رپورٹ کو ملحوظ رکھتے ہوئے، نیز اس اصول کی توثیق کرتے ہوئے کہ اقوامِ متحدہ کے منشور کے مطابق اس کی رکنیت کے دروازے سب کے لئے کھلے ہوئے ہیں، اور اس امر کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کہ عوامی جمہوریہ بنگلہ دیش اقوامِ متحدہ کی رکنیت کا اہل ہے۔ ہم اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ عوامی جمہوریہ بنگلہ دیش کو جلد ہی اقوامِ متحدہ کا ممبر بنالیا جاتے ۔ (محرک۔ یوگوسلاویہ (تائید) آسٹریلیا، بار بادوس، بھوٹان، بلغاریہ، کینیڈا، سنٹرل افریکن ری پبلک، کولمبیا، کوسٹاریکا، قبرص، ڈنمارک، لسالویڈور، ہنگری، جمیکا، کینیا، ملائیشیا، ماریشس، منگولیا، نیپال، نیوزی لینڈ، پولینڈ، سینیگال، یوگنڈا)

• اقوامِ متحدہ کے منشور کی متعلقہ دفعات کے علاوہ اس منشور کے مطابق مختلف ملکوں کے درمیان دوستانہ تعلقات اور تعاون سے متعلق بین الاقوامی قوانین میں مندرج اصولوں، نیز سلامتی کونسل کی ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو منظور ہونے والی قرارداد نمبر ۳۰۷ کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم ان اقدامات، بالخصوص معاہدہ شملہ پر اظہارِ اطمینان کرتے ہیں جو برصغیر جنوبی ایشیا میں حالات کو معمول پر لانے میں مدد دینے کے لئے کئے گئے ہیں۔ ہمیں اس حقیقت کا بھی احساس ہے کہ ۱۲ر اگست ۱۹۴۹ء کے جینوا کنونشن کے تحت جنگی سرگرمیاں ختم ہونے کے بعد جنگی قیدیوں کی بلا تاخیر رہائی اور واپسی ضروری ہے۔ ہم نے اس بات کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے کہ تمام تصفیہ طلب مسائل کا حل جس میں فوجیوں اور شہریوں کی اپنے ملکوں کو واپسی بھی شامل ہے، اس علاقے میں امن اور سکون کی فضا پیدا کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ تمام متعلقہ فریق کسی ایسے اقدام سے باز رہیں گے جس سے تصفیے کے امکانات کو زک پہنچے اور قطعی سمجھوتے میں مزید فریق تعاون اور باہمی احترام کے جذبے کے تحت تصفیہ طلب مسائل کا منصفانہ حل تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اور جنگی قیدیوں کو جنیوا کنونشن ۱۹۴۹ء نیز سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر ۳۰۷ (۱۹۷۱ء) کی متعلقہ دفعات کے مطابق واپس کرنے کے لئے کارروائی کریں گے، (محرک۔ ارجنٹائن (تائید) الجزائر، گنی، ایران، کویت، مالی، ماریطانیہ، مراکش، نکاراگوئے، پیراگوئے، قطر، سعودی عرب، سومالیہ، سوڈان اور ترکی)

یہ دونوں قراردادیں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۳۰ر نومبر کو کسی بحث کے بغیر منظور کرلیں۔ جنرل اسمبلی کے صدر نے ان قراردادوں کو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم قرار دیتے ہوئے کہا کہ بنگلہ دیش کی رکنیت کے مسئلے کو موجودہ سیاسی، قانونی اور انسانی مسائل کے مجموعی حل کے پس منظر میں دیکھنا ہوگا۔ اس لئے یہ بات ضروری ہے کہ ان قراردادوں میں جو موقف پیش کئے گئے ہیں، انہیں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم تصور کیا جائے اور ان قراردادوں کو بیک وقت منظور کیا جائے۔ ان قراردادوں کی منظوری کے بعد چین کے نمائندے ہوانگ ہوا نے جنرل اسمبلی سے خطاب کیا اور چین کا موقف بتاتے ہوئے واضح طور پر کہا کہ "چین بنگلہ دیش کو اقوامِ متحدہ کا رکن بننے سے روکنے کے لئے اس وقت تک ویٹو استعمال کرتا رہے گا، جب تک کہ بھارت پاکستان کے جنگی قیدی واپس نہیں کرتا" عالمی برادری کے اس فیصلے کے باوجود بھارت اور بنگلہ دیش نے اعلان کیا ہے کہ "جب تک بنگلہ دیش کو اقوامِ متحدہ کا رکن نہیں بنایا جائے گا، جنگی قیدی رہا نہیں کئے جائیں گے"

یہ تو تھا اقوام متحدہ میں بنگلہ دیش کی رکنیت کے سلسلے میں عالمی برادری کا موقف۔ اندرونِ ملک حکومت نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے لئے رائے عامہ ہموار کرنی شروع کر دی ہے۔ اس مہم کے آغاز کے لئے صوبہ سرحد کا انتخاب کیا گیا کیونکہ سرحد میں نیپ، جمیعت اور قیوم لیگ کا اثر ہے۔ نیپ اور جمیعت بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے حق میں ہیں۔ قیوم لیگ کی اپنی کوئی سوچ یا نظریہ نہیں، اس کے صدر خاں قیوم نے ہمیشہ چڑھتے ہوئے سورج کی پوجا کی ہے اور کرسی اقتدار کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا ہے۔ مرکز میں وزیر بننے کے بعد قیوم خان نے اپنی جماعت کو پیپلز پارٹی کی گود میں ڈال دیا ہے۔ اس لئے بنگلہ دیش کو تسلیم کرانے کی مہم کے آغاز کے لئے سرحد موزوں ترین صوبہ تھا۔ چنانچہ صدر بھٹو نے ہر جلسہ میں بنگلہ دیش تسلیم کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ پنجاب میں فوراً اس کا ردِ عمل ہوا۔ "بنگلہ دیش نامنظور" کی تحریک کا آغاز ہوا۔ خصوصاً راولپنڈی میں طلبہ نے زبردست مظاہرے کئے۔ ان مظاہروں کا اثر یہ ہوا کہ لائل پور میں صدر بھٹو نے بنگلہ دیش کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا بلکہ بھارت کو دھمکی دی کہ "وہ جنگ کی بات نہ کرے، اگر جنگ کی بات کی گئی تو پھر تین جنگیں اور ہو سکتی ہیں۔ آج ہر پاکستانی تیار ہے" ۳۰ر نومبر کو جنرل اسمبلی نے اقوامِ متحدہ میں بنگلہ دیش کی رکنیت اور پاکستانی جنگی قیدیوں کی واپسی کو لازم و ملزوم قرار دیا۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صدر بھٹو نے یکم دسمبر کو راولپنڈی کے جلسۂ عام میں بنگلہ دیش تسلیم کرنے کی بات کی تو جلسے میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اور "نامنظور نامنظور" کے نعرے لگے۔ اس پر دھمکی دی گئی کہ "اگر آپ بنگلہ دیش تسلیم کرنا نہیں چاہتے تو دوسری حکومت تلاش کر لیں" اس دھمکی سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ برسرِ اقتدار پارٹی اپنے آپ کو ناگزیر سمجھتی ہے۔ اور اس کا خیال ہے کہ اگر اس کی حکومت نہ رہی تو پاکستان تباہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد اجالا نہیں اندھیرا ہے۔ یہ رجحان غلط ہے۔ کوئی شخصیت یا جماعت ناگزیر نہیں ہوتی، جب قائد اعظم جیسے رہنما کی وفات کے بعد پاکستان قائم رہ سکتا ہے۔ تو پیپلز پارٹی کے بعد بھی قائم رہ سکتا ہے۔ یہ عوام ہوتے ہیں جو اپنی پسندیدہ پارٹی کو برسرِ اقتدار لاتے ہیں اور جب چاہتے ہیں حکومت کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ ایوبی حکومت اس کی واضح مثال ہے۔

حکومت کا کہنا ہے کہ "بنگلہ دیش ایک حقیقت ہے۔ اس لئے اسے تسلیم کیا جائے" یہ دلیل بے وزن ہے۔ کیونکہ عوام جانتے ہیں کہ سامراجی طاقتوں کی بین الاقوامی

سازشوں، توسیع پسند ممالک کی ہوس ملک گیری اور بڑے سرمایہ دار ممالک کی چھوٹے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے نیچے میں بہت سی گھناونی اور عوام دشمن حقیقتیں انسانی تاریخ میں نمودار ہوتی ہیں۔ اسرائیل، تائیوان اور بیافرا اس کی واضح مثالیں ہیں۔ بنگلہ دیش بھارت اور سوویت سازش کی پیداوار ہے۔ اگر امریکی سامراج اور سوویت سوشل سامراج کے دباؤ میں آکر آج بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا گیا۔ تو اسرائیل اور تائیوان کے سلسلے میں موجودہ حکومت کا موقف کیا ہوگا؟ کیونکہ اسرائیل اور تائیوان، بنگلہ دیش کے مقابلے میں زیادہ سامراجی حقیقتیں ہیں۔ اگر آج بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیتے ہیں تو کل اسرائیل اور تائیوان کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔

بعض "انقلابی اور ترقی پسند" عناصر کا کہنا ہے کہ جماعت اسلامی بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی مخالفت کر رہی ہے، اس لئے ہمیں بنگلہ دیش کی حمایت کرنی چاہیئے۔ اور اپنے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے چیئرمین ماؤ کا یہ قول پیش کرتے ہیں "دشمن جس کی حمایت کرے اس کی مخالفت اور جس بات کی دشمن مخالفت کرے اس کی حمایت کرنی چاہیئے"، ان بھولے سوشلسٹوں کی یہ دلیل عوام کی سمجھ میں نہیں آسکتی کیونکہ یہ لوگ جس شخصیت کا قول دلیل کے طور پر پیش کر رہے ہیں، اس کی پارٹی اور حکومت بنگلہ دیش کو موجودہ صورت حال اور فوری طور پر تسلیم کرنے کی مخالفت کر رہی ہے اور اس سلسلے میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ویٹو بھی استعمال کر چکی ہے۔ جب کہ سوویت یونین، بھارت اور امریکہ پاکستان سے فوری طور پر بنگلہ دیش کو تسلیم کرانا چاہیئے ہیں اور یہ بات سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ سوویت یونین، امریکہ اور بھارت پاکستان کے دشمن ہیں اور چین دوست ہے۔

جماعت اسلامی اور محب وطن عوام کے موقف میں فرق ہے جماعت اسلامی کا موقف یہ ہے کہ بنگلہ دیش پاکستان کا اٹوٹ انگ ہے اور اسے بزور طاقت مغربی پاکستان کے ساتھ منسلک رکھا جائے، جب کہ ہم چاہتے ہیں کہ بنگلہ دیش کو تسلیم نہیں کیا جائے، کیونکہ مندرجہ ذیل مسائل ابھی تک حل نہیں ہوئے۔

- بنگلہ دیش سے بھارتی فوجوں کا انخلا۔
- پاکستانی جنگی قیدیوں کی واپسی
- بنگلہ دیش سے روسی فوجی ماہرین اور بحری بیڑے کی واپسی۔
- اثاثوں اور قرضوں کے بارے میں سمجھوتہ۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بنگلہ دیش کے محبان وطن بھارتی اور روسی سازشوں کے خلاف اور عوامی لیگ کی رجعت پسند حکومت کے خلاف بھرپور جدوجہد شروع کر چکے ہیں۔ ہم بنگلہ دیش کو اس وقت تسلیم کرنے کے حق میں ہیں، جب وہ صحیح معنوں میں آزاد ہو جائے۔

سنٹو کی بحری مشقیں

بحر ہند کے مغربی علاقے میں سنٹو کی دس روزہ بحری مشقیں، ۲۷ نومبر کو ختم ہو گئیں۔ پاکستان نے ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد پہلی مرتبہ سنٹو کی بحری مشقوں میں حصہ لیا۔ بی بی سی کے مطابق پاکستان نے ایران کے کہنے پر ان مشقوں میں شرکت کی،

سنٹو کی حالیہ بحری مشقیں اس بات کا اشارہ ہیں کہ امریکی سامراج بحر ہند کو سوویت یونین کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑنا چاہتا اور وہ اس علاقے میں گہری دلچسپی لے رہا ہے۔ اس نے سوویت اثرات کو روکنے کے لئے سنٹو کو سرگرم عمل کر دیا ہے۔ اور بی بی سی کے مطابق ویت نام کی جنگ کے خاتمہ کے بعد امریکہ کا ساتواں بحری بیڑہ بھی بحر ہند میں رہے گا۔ دوسری جانب سوویت یونین نے نہ صرف بحر ہند پر اپنا تسلط قائم کر لیا ہے بلکہ وہ خلیج عرب میں بھی اثر و رسوخ بڑھا رہا ہے۔ "عراق، سوویت دوستی کا معاہدہ"، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس معاہدے کے فوراً بعد ایران نے اپنی سمندری حدود کو خلیج عرب سے بڑھا کر بحر ہند میں دور تک وسیع کرنے کا اعلان کر دیا تاکہ خلیج عرب کی ریاستوں پر سوویت اثر و رسوخ بڑھنے نہ پائے۔

بحر ہند میں امریکی سامراج اور سوویت یونین کی دلچسپی کی وجہ تیل ہے۔ بحر ہند کا تیل کی ایک اہم گزرگاہ ہے۔ مشرق وسطیٰ اور خلیج عرب کے تیل پیدا کرنے والے تمام ممالک کا تیل بحر ہند کے ذریعے اس کے خریداروں تک جاتا ہے۔ مغربی یورپ کا تقریباً ۷۵ فی صد تیل اور جاپان کا تقریباً ۹۰ فیصد تیل بحر ہند سے گزرتا ہے۔ امریکی حکام اعلانیہ کہتے ہیں کہ امریکہ کو بحر ہند میں اپنی طاقت بڑھانی چاہیئے۔ تاکہ مشرق وسطیٰ سے بلا خوف و خطر تیل ملنے کی ضمانت مل سکے۔ امریکی پٹرولیم انسٹی ٹیوٹ کے مطابق ۱۹۸۵ء تک امریکہ میں تیل کی ضرورت، ۵۰ فی صد بڑھ جائے گی۔ امریکی بحریہ کے چیف آف اسٹاف کا کہنا ہے کہ اس وقت ہمیں ۱۲ ملین بیرل تیل کی یومیہ ضرورت ہوگی۔ جس کا ایک بڑا حصہ مشرق وسطیٰ سے لیا جائے گا۔ دوسری طرف سوویت یونین میں تیل کے ذخائر پہلے سے کم ہو گئے ہیں۔ نئے دریافت شدہ تیل کے کنویں کی کھدائی ابھی تک نہیں ہوئی ہے۔ اگر ہو بھی گئی تو پیداواری لاگت بہت زیادہ ہوگی۔ اکنامسٹ کے مطابق ۱۹۸۰ء تک روسی تیل کے ذخائر میں سالانہ ۱۰۰ ملین ٹن تیل کی کمی ہوتی جائے گی۔ اس لئے سوویت یونین کو تیل کے لئے مشرق وسطیٰ پر زیادہ سے زیادہ انحصار کرنا پڑے گا۔

بحر ہند کی جنگی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے۔ اس کے مشرقی، مغربی اور شمالی ساحلوں پر تین براعظم ہیں۔ قدرتی طور پر یہ ایک اہم مواصلاتی مرکز ہے۔ یہ جنوب میں آبنائے باب المندب اور نہر سویز کے ذریعے بحر اوقیانوس سے، مشرق میں آبنائے ملایا کے ذریعے بحر الکاہل سے اور جنوب مغرب میں افریقہ کے جنوبی سرے پر بحر منجمد شمالی سے ملتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکی سامراج نے اپنا چھٹا اور ساتواں بحری بیڑہ بحر الکاہل، بحر منجمد شمالی اور بحر اوقیانوس میں متعین کر دیا۔ اب وہ بحر ہند کے دونوں سروں پر اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے اس نے شمالی مغربی آسٹریلیا میں ایکسماؤتھ گلف اور تھائی لینڈ کے ساحل پر ستاہیپ کے مقام پر اپنے اڈے قائم کرنے کی اجازت طلب کی ہے۔ اس سلسلے میں اس نے آسٹریلیا کو بھی امداد دی ہے تاکہ وہ انڈونیشیا کو جیلاجاپ کی بندرگاہ کی تعمیر میں مدد دے سکے۔ یہ بندرگاہ وسطی جاوا کے جنوبی ساحل پر واقع ہے۔ اور اسے آبدوز شکن جہازوں کے اڈے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

گذشتہ سال کے آغاز میں امریکہ نے برطانیہ کی مدد سے بحر ہند کے وسط میں جزیرہ ڈائیگو گریشیا میں ایک مواصلاتی مرکز قائم کیا ہے۔ اس اڈے میں ۸۰۰ فٹ لمبا رن وے ہے۔ اس کے علاوہ طیارہ بردار جہازوں اور ایٹمی آب دوزوں کے لئے ایک بندرگاہ بھی موجود ہے۔ اسی سال کے آخر میں امریکہ نے بحرین کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کے تحت برطانیہ کا خالی کیا ہوا اڈہ امریکہ کو لیز پر مل گیا۔ اور اب امریکی سامراج کی ایما

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں



غیر ممالک کے ۳۵۵ ادارے انڈونیشیا کو لوٹ رہے ہیں



انڈونیشیا فوجی جرنیلوں اور امریکی اجارہ دار سرمایہ داروں کے چنگل میں

احفاظ الرحمن

انڈونیشیا کے فسطائی حکمران دنیا کے سامنے یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ انہوں نے ملک میں جمہوری اور عوامی نظام نافذ کر دیا ہے۔ وہ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ملک میں مکمل طور پر امن و امان ہے۔ اور لوگ موجودہ حکومت سے پوری طرح مطمئن ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ حسین جزیروں کا یہ ملک آج بھی فوجی آمروں کے فسطائی نظام کے بوجھ تلے سسک رہا ہے۔ انڈونیشیا کے عوام نے آج بھی لاکھوں حریت پسندوں کے ان قاتلوں کے خلاف جگہ جگہ محاذ کھول رکھے ہیں۔ اور وہ اس وقت تک لڑتے رہیں گے، جب تک کہ برسر اقتدار فوجی ٹولہ کیفر کردار کو نہ پہنچ جائے۔ انڈونیشیا کے عوام کو اس بات کا پورا احساس ہے کہ سوہارتو ٹولے نے انڈونیشیا کے انقلاب کو پیچھے کی طرف دھکیل دیا ہے۔

اس وقت بھی انڈونیشیا میں تمام چھوٹے بڑے سرکاری عہدے فوجی افسروں کے قبضے میں ہیں آج بھی جکارتہ کی سڑکوں پر فوجی وردیوں کا منحوس سایہ پھیلا ہوا ہے۔ پاکستان میں ایوب خاں نے بھی ایک نام نہاد جمہوری، عوامی نظام نافذ کیا تھا، اور تمام بڑے عہدے فوجی جرنیلوں کو تفویض کر رکھے تھے۔ لیکن سوہارتو ٹولہ اس سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گیا ہے۔ یہ وہی فوجی ٹولہ ہے جو انڈونیشیا کے عظیم لیڈر سوکارنو کی سامراج دشمن پالیسی کو پس پشت ڈال کر سامراجیوں کے ساتھ پینگیں بڑھا رہا ہے۔ پاکستانی عوام اس فوجی ٹولے کو کبھی معاف نہیں کر سکتے۔ اس ٹولے نے گذشتہ جنگ کے دوران ایک منافقانہ کردار ادا کیا اور پاکستان کے مقابلے میں عملی طور پر بھارت کی حمایت کی۔ لیکن انڈونیشیا کے عوام آج بھی پاکستان کے ساتھ ہیں۔ برسر اقتدار فوجی ٹولہ زیادہ عرصے تک راج نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے فسطائی ہتھکنڈوں سے ان حریت پسندوں کو مرعوب نہیں کر سکتا جنہوں نے اپنے لہو سے آزادی کی مشعل روشن کی تھی۔

قاتلوں اور لٹیروں کا یہ فوجی ٹولہ جس پارلیمانی نظام کا پروپیگنڈا کر رہا ہے، وہ فسطائی نظام کی بدترین مثال ہے۔ پاکستان میں ایوب خاں نے بھی قوم کو بنیادی جمہوریت کا تحفہ پیش کیا تھا، لیکن اس کے دور میں مخالفت میں اٹھنے والی ہر آواز کا گلا گھونٹ دیا جاتا تھا۔ انڈونیشیا کے فسطائی حکمران بھی اسی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں۔ آج وہاں سیاست، معیشت، ثقافت، قانون، بیرونی تجارت کے میدانوں میں پوری انتظامی مشینری پر اس فوجی ٹولے کا قبضہ ہے۔ اس نے ہر جگہ اپنے فوجی گرگے متعین کر رکھے ہیں جو اپنے محدود مفادات کی تکمیل کرنے کے لئے تشدد کا ہر حربہ استعمال کر رہے ہیں۔

سوہارتو کی کابینہ میں بیشتر وزارتیں فوجی جرنیلوں کے پاس ہیں، اور وہ تمام وزارتوں کے کلیدی عہدوں پر بھی قابض ہیں۔ جو وزارتیں ان جرنیلوں کے پاس نہیں ہیں، ان میں سکریٹری جنرل اور ڈائریکٹر جنرل جیسے اہم عہدوں پر فوجیوں کو متعین کیا گیا ہے جکارتہ چیمبر آف کامرس کا چیئرمین ایک بریگیڈیئر جنرل (عثمان اسماعیل) ہے۔ انڈونیشیا نیشنل ایگریکلچرل ایسوسی ایشن کا سربراہ بھی ایک بریگیڈیئر جنرل (رجو ہارتونو) ہے۔ "بنجی" فضائی سروس منڈالا ایئر لائنز کا سربراہ ایک بریگیڈیئر جنرل (ایس۔ سوفجار) ہے۔ آل انڈونیشیا گارمنٹ مینوفیکچررز ایسوسی ایشن کا چیئرمین ایک لیفٹیننٹ کرنل (بروتو تیروجو) ہے۔ اندرونی تجارت کے شعبے کا ڈائریکٹر جنرل ایک میجر جنرل (مسکیتا) ہے۔

بہت سے اہم ممالک میں فوجی جرنیلوں کو سفیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جن ممالک میں سفیر کا عہدہ فوجیوں کے پاس نہیں ہے، وہاں نچلے عملوں میں فوجی افسر بھرتی کئے گئے ہیں۔ اس طرح سفارتی میدان میں بھی فوجی ٹولے نے اپنے پنجے پھیلا رکھے ہیں۔ نہ صرف مرکزی اور انتظامی تنظیموں پر اس فوجی ٹولے کا قبضہ ہے،

سوہارتو ٹولے نے الیکشن پر ۵۵ ملین امریکی ڈالر خرچ کئے



بلکہ علاقائی اور صوبائی تنظیموں، دیہی علاقوں کی سطح تک پر بھی ان فسطائیوں کا تسلط قائم ہے۔ وزارت داخلہ کا قلمدان ایک لیفٹیننٹ جنرل (امیر محمود) کے پاس ہے، اور اس کی وزارت میں چھوٹے بڑے تمام عہدوں پر رجعت پسند فوجی افسروں کو متعین کیا گیا ہے۔ انڈونیشیا کے ۲۶ صوبوں میں سے بیشتر صوبوں کے گورنر میجر جنرل، بریگیڈیئر جنرل اور کرنل ہیں۔ اس کے علاوہ سینکڑوں کرنل، میجر اور لیفٹیننٹ ایسے ہیں جو ضلعوں اور شہروں میں کمشنر یا میئر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

الیکشن کا ڈھونگ

سوہارتو فوجی ٹولے نے جس کے ہاتھ لاکھوں محبان وطن کے لہو میں لتھڑے ہوئے ہیں، کئی سالوں کے بعد ۳ جولائی ۱۹۷۱ء کو عام الیکشن کا ڈھونگ رچایا۔ یہ الیکشن ایوب خاں کے الیکشن سے مختلف نہیں تھا۔ پارلیمنٹ کی بیشتر نشستیں فوجی ٹولے کی پروردہ جماعت گولکر کے پاس آگئیں، اور یہ ٹولہ "قانونی" طور پر حکومت کرنے کا مستحق ٹھہرا۔ کہیں ووٹروں کو دھونس اور دھمکیوں سے دبایا گیا اور کہیں دھن سے کام نکالا گیا مخالف تنظیموں میں اتنا ہراس پھیلایا گیا کہ وہ یکسوئی کے ساتھ انتخابی مہم میں حصہ نہ لے سکیں۔ اس الیکشن کو "حقیقی" رنگ دینے کے لئے اس پر بڑی سخاوت کے ساتھ دو ارب انڈونیشی روپے (۵۵ ملین امریکی ڈالر) خرچ کئے گئے، جن میں سے بیشتر فوجی جرنیلوں کی جیبوں میں چلے گئے۔

سوہارتو فوجی ٹولہ گلا پھاڑ پھاڑ کر اس بات کا پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ یہ الیکشن آزاد، جمہوری ماحول میں منعقد ہوئے، لیکن اس کے برخلاف حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس الیکشن میں بورژوا جمہوری ماحول تک قائم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت سرکاری پارٹی گولکر کو کامیاب کرایا گیا۔

یہاں تک کہ امریکی اجارہ دار سرمایہ داروں کے ترجمان ہفت روزہ "ٹائم" کو بھی اپنی ۱۲ جولائی ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں لکھنا پڑا "یہ الیکشن جس پر گرانقدر سرمایہ (۵۵ ملین ڈالر) صرف ہوا، برسر اقتدار حکمرانوں کو قانونی حق دینے کے لئے ایک چال کی حیثیت رکھتا ہے۔ حکومت نے کوئی خطرہ مول نہیں لیا۔ الیکشن سے قبل صدر سوہارتو یا حکومت کے پروگرام پر تنقید کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ نو مخالف جماعتوں کو دیہی علاقوں میں جلسے کرنے کی اجازت تھی، لیکن ان جلسوں میں وسیع پیمانے پر اشتعال انگیزیاں کی گئیں۔ بعض صوبوں میں فوجی کمانڈروں نے فوجی پریڈ کا پروگرام بنا کر مخالف پارٹیوں کے سیاسی جلسوں کو ناکام بنانے کی کوشش کی۔ حکومت نے ڈھائی ہزار غیر پسندیدہ امیدواروں کو الیکشن میں حصہ نہیں لینے دیا، اور ایسے بہت سے دوسرے امیدواروں کو پکڑ کر جیلوں میں ڈال دیا گیا!"

ایک اور سامراجی ہفت روزہ "نیوز ویک" اپنی ۱۲ جولائی ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں لکھتا ہے، "(اس الیکشن کے دوران) گولکر پارٹی نے انتہائی اشتعال انگیز کارروائیاں کیں۔ ایک شہری ملازم نے بتایا 'اگر کوئی شخص گولکر میں شامل نہیں ہوتا تو اسے سیاسی طور پر دفن کر دیا جاتا ہے۔ یہاں ووٹ دینے کی آزادی نہیں ہے' کسانوں کو دھمکی دی گئی کہ انہوں نے گولکر کو ووٹ نہیں دیا تو ان کے ٹیکسوں کا بوجھ اور بڑھا دیا جائے گا اور کیمیاوی کھاد اور جراثیم کش ادویات جیسی اہم ضروریات کی رسد بند کر دی جائے گی۔ یہاں تک کہ جسمانی تشدد کی بھی بہت سی رپورٹیں ملی ہیں۔"

سوہارتو فوجی ٹولے نے جمہوریت کا خول چڑھا کر دنیا کو فریب دینے کی کوشش کی تھی، لیکن اب اس کا بدنما چہرہ پوری طرح بے نقاب ہو چکا ہے۔ فوجی جرنیل اندرونِ ملک سنگینوں کے زور پر اپنے عوام کی خواہشات کو پامال کر رہے ہیں، لیکن وہ دنیا کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتے۔ ان کی جمہوریت بدترین آمریت کا دوسرا نام ہے۔

گولکر پارٹی کا جنم

سوہارتو فوجی ٹولہ کئی سالوں سے انتخابات کے ذریعے پارلیمنٹ میں غالب اکثریت حاصل کرنے کے لئے ایک سوچے سمجھے منصوبے پر عمل کر رہا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے نومبر ۱۹۶۹ء میں تشدد اور دھمکیوں کے سہارے "الیکشن بل" منظور کرالیا۔ اس بل کے تحت یہ طے پایا کہ ۴۶۰ نشستوں کی پارلیمنٹ میں صرف ۳۶۰ اراکین انتخابات کے ذریعے آئیں گے اور باقی اراکین فوجی ٹولے کی طرف سے نامزد کئے جائیں گے، جن میں سے بیشتر مسلح افواج کی نمائندگی کریں گے۔

پارلیمنٹ میں غالب اکثریت حاصل کرنے کے لئے اس فسطائی ٹولے نے ہر قسم کے مذموم ہتھکنڈے اختیار کئے۔ اس نے سیاسی پارٹیوں اور "عوامی تنظیموں" کو اپنے کنٹرول میں لینے کے لئے کھلم کھلا طاقت کا استعمال کیا۔ مخالف پارٹیوں میں اپنے زرخرید پٹھوؤں کے ذریعے انتشار پھیلایا۔ ان کے دیانتدار کارکنوں کو دودھ کی مکھی طرح باہر نکال دیا، یہاں تک کہ ان کی قیادتی تنظیموں میں اپنے "پسندیدہ" افراد کو منتخب کرانے کے لئے بھی جوڑ توڑ کی۔ لیکن یہ سب کچھ ان کے لئے کافی نہیں تھا۔ انہیں حکمرانی کا "قانونی حق" حاصل کرنے کے لئے ایک ایسی سیاسی پارٹی کی ضرورت تھی، جو مکمل طور پر ان کے کنٹرول میں ہو اور جس کے اراکین ان کے مفادات کا تحفظ کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی سیاسی پارٹی گولکر بنائی، جو ایوب خاں کی کنونشن لیگ سے بھی بدتر ہے۔

اس سیاسی پارٹی، گولکر کا سربراہ لیفٹیننٹ جنرل ایس۔ سوکوواتی ہے، جس کے پاس جنرل چیئرمین کا عہدہ ہے۔ یہ پارٹی "مزدوروں"، "کسانوں"، "وکیلوں"، "عورتوں" اور "نوجوانوں" کی دو سو "عوامی تنظیموں" کی نمائندگی کرتی ہے۔ فسطائی طرز کی اس پارٹی کا ایک چیئرمین بریگیڈیئر جنرل امیر مورتو نو ہے، اور اس کا سیکریٹری جنرل بریگیڈیئر جنرل ساپار جو ہے۔ پورے ملک میں اس

پارٹی کی تمام شاخیں براہ راست کرنلوں، میجروں اور کیپٹنوں کی رہنمائی میں کام کرتی ہیں۔

الیکشن ۳ر جولائی ۱۹۷۱ء کو ہوا۔ سوہارتو فوجی ٹولہ بہت پہلے سے گولکر پارٹی کو کامیاب بنانے کے لئے تمام جائز و ناجائز ہتھکنڈے استعمال کر رہا تھا۔ فوجی جرنیل برسرِ عام یہ کہتے تھے کہ گولکر کو ہر حال میں جیتنا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے یہ "پیشینگوئی" کر دی تھی کہ گولکر پارٹی پارلیمنٹ میں کتنی نشستیں حاصل کرے گی۔ جکارتہ کا اخبار "پدومان" اپنی ۴ر جون ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں انکشاف کرتا ہے "بہت سے سرکاری عہدیدار، وزیروں اور گورنروں سے لے کر دیہات کے سربراہوں تک، جرنیلوں سے لے کر حوالداروں تک، کھلم کھلا گولکر پارٹی کا ساتھ دے رہے ہیں۔" اخبار نے اس بات کا اعتراف کیا کہ الیکشن کے بارے میں گولکر اور حکومت کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں ہے؛

انتارا نیوز ایجنسی کی ۵ر جون ۱۹۷۱ء کی رپورٹ کے مطابق ڈپٹی چیف آف اسٹاف آف اسٹریٹجک آرمی کمانڈ، بریگیڈیر جنرل ایس سو فجار نے سماترا کے ایک علاقے میں انتخابی مہم کے دوران کھلم کھلا اس بات کا اعلان کیا کہ — "حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ وہ الیکشن میں گولکر پارٹی کی کامیابی کی ضمانت حاصل کرے۔" ہانگ کانگ کا رسالہ "فار ایسٹرن اکنامک ریویو" اپنی ۱۵ر مئی ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں لکھتا ہے، "گولکر کو حکومت کی طرف سے ہر قسم کی مراعات حاصل ہیں، ملک میں آج بھی فوجی ٹولہ من مانیاں کر رہا ہے۔ فوجی افسروں نے گولکر کو کامیاب کرانے کے لئے ایک فوجی مشن بنا لیا ہے۔ وزیر داخلہ امیر محمود نے دس لاکھ شہری ملازموں کے نام ہدایت جاری کی ہے کہ انہیں ہر حال میں گولکر پارٹی کا رکن بننا چاہیئے۔" آگے چل کر یہ رسالہ لکھتا ہے "حکومت اور فوج اور لامحدود سرمائے کی پشت پناہی کے سبب اس پارٹی کی "کامیابی" یقینی ہے۔ صوبائی سربراہوں کو یہ جتلا دیا گیا ہے کہ انہیں گولکر کو کامیاب بنانے کے لئے "یقینی" حالات پیدا کرنے چاہئیں، ورنہ ان کے عہدے محفوظ نہیں رہیں گے۔"

حکومت کی اس سازش کے خلاف انڈونیشیا کے بہت سے اخبارات نے مضامین لکھے، لیکن حکومت نے ان کی تنقید پر کان دھرنے کی بجائے ان کے خلاف احتسابی اقدامات کئے۔ رجعت پسند فوجی حکمرانوں نے نہ صرف گولکر پارٹی کو ہر ممکن مراعات دیں، بلکہ اس کے مخالفین کو کچلنے کے لئے سرکاری مشینری کا بڑی فراخدلی سے استعمال کیا۔ ہزاروں افراد کو جیلوں میں ڈال دیا گیا، ہزاروں افراد کو اذیتیں دے کر گولکر پارٹی کی مخالفت سے باز رکھنے کی کوشش کی گئی۔ جکارتہ کے بعض اخبارات نے الیکشن سے قبل یہ رپورٹ شائع کی کہ انڈونیشیا کے بہت سے علاقوں میں اندھا دھند گرفتاریاں کی جا رہی ہیں، یہاں تک کہ بعض علاقوں میں قتل کے واقعات بھی پیش آئے ہیں۔ جکارتہ کے اخبار "سولوہ مارہائن" نے ۳ر جون ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں انکشاف کیا کہ وسطی جاوا کے ایک علاقے، رمبانگ میں مقامی حکومت کے سربراہ نے سرکاری عملے کے اراکین اور دیہات کے افسروں کو ملازمت سے برخاست کر دیا، کیونکہ انہوں نے گولکر کا رکن بننے سے انکار کر دیا تھا۔ جکارتہ کے اخبار "پدومان" نے ۱۴ر جون ۱۹۷۱ء کو اپنے اداریے میں اس بات کا اعتراف کیا کہ ان دنوں عوام میں بڑی بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ فوج گولکر کی حمایت میں عوام کو دھونس اور دھمکیوں کا نشانہ بنا رہی ہے۔ وزیر داخلہ کا، جو الیکشن کمشنر کے فرائض انجام دے رہے ہیں، رویہ بالکل جانبدارانہ ہے۔ آئے دن انتخابی مہم میں سرکاری افسروں کی زیادتیوں کے خلاف لوگوں کے احتجاجی بیانات موصول ہوتے ہیں اور لوگ یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ حکومت کو غیر جانبداری کے اصول پر عمل کرنا چاہیئے۔

فوجی ٹولے کے فسطائی ہتھکنڈے یہیں تک محدود نہیں رہے۔ اس نے جکارتہ کے دو اخباروں "دوتا مسجا نکات" (مسلم علماء کی پارٹی نہضۃ العلماء کا ترجمان) اور "ہریان کامی" (طلباء کے ایک گروپ کا ترجمان) پر کئی دنوں کے لئے پابندی عائد کر دی کیونکہ یہ اخبارات فوجی حکام کی تشدد آمیز کارروائیوں کو بے نقاب کر رہے تھے۔

ان حالات میں، ۳ر جولائی ۱۹۷۱ء کے الیکشن کے نتائج غیر متوقع نہیں تھے۔ چنانچہ گولکر پارٹی ۲۶ صوبوں میں ۶۳ فیصد ووٹ حاصل کر کے ۳۶۰ میں سے ۲۲۷ نشستوں پر قابض ہو گئی۔ دوسرے نمبر پر آنے والی پارٹی، نہضۃ علماء نے صرف ۵۸ اور تیسرے نمبر پر آنے والی پارٹی پارموسی نے صرف ۲۴ نشستیں حاصل کیں۔ لیکن یہ اعداد و شمار بھی نامکمل ہیں۔ دراصل فوجی گروپ کی سو نشستوں کو ملا کر برسرِ اقتدار ٹولے کے پاس کل ۳۲۷ نشستیں ہیں۔ اس طرح مخالف پارٹیوں کے پاس



"گولکر کو ووٹ نہیں دیا تو کیمیاوی کھاد اور جراثیم کش ادویات کی رسد بند کردی جائیگی"

مجموعی طور پر تقریباً ۲۸ فیصد نشستیں ہیں، جب کہ برسرِ اقتدار ٹولہ ۷۵ فیصد نشستوں پر قابض ہے۔

یہ پارلیمنٹ عوام کی "نمائندگی" کس طرح کرے گی، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ فرق بس اتنا سا ہوا ہے کہ سوہارتو ٹولہ اب قانون کے پردے میں آمرانہ اختیارات استعمال کرے گا۔ اور پارلیمنٹ کے اراکین کٹھ پتلیوں کی طرح اس کے اشارے پر ناچیں گے، جس طرح ہمارے یہاں ایوب خاں کے زمانے میں ہوتا تھا۔ سوہارتو فوجی ٹولہ پہلے کوئی منصوبہ بنائے گا اور بعد میں پارلیمنٹ سے اس پر انگوٹھا لگوائے گا۔

قانون کا یہ ٹولہ عوام کو دھوکا دینے کے لئے پارلیمنٹ کو کلی طور پر ایک آڑ کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ الیکشن میں سیاسی پارٹیوں کو اپنے نمائندے نامزد کرنے کی آزادی نہیں ہے۔ سیاسی پارٹیوں کے امیدواروں کی فہرست فوجی حکام اور، سب سے آخر میں سوہارتو کے پاس جاتی ہے، جن میں سے وہ ناپسندیدہ شخصیتوں کے نام کاٹ دیتے ہیں اور "بے ضرر" امیدواروں کو الیکشن لڑنے کا حق عطا

انڈونیشیا میں روسی سفیر کی گولکر پارٹی کے چیئرمین کو مبارکباد

کر دیتے ہیں۔ پولیس، فوجی پولیس اور سی آئی ڈی کے افسر ہر امیدوار کے ماضی اور سیاسی کردار کے بارے میں رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ اور اس الیکشن میں سوہارتو نے ایک ہزار امیدواروں سے یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کیا کہ نئے نظام سے ان کی وفاداری مشکوک ہے۔

انگوٹھا مارکہ پارلیمنٹ

جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، اس پارلیمنٹ میں سو اراکین فوجی ٹولے کی طرف سے نامزد کئے گئے ہیں۔ گولکر کے ۲۲۷ اراکین بھی براہ راست فوجی جنتا کے کنٹرول میں ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس پارلیمنٹ کا سکریٹری جنرل بھی ایک بریگیڈیر جنرل ہے۔ ماضی کی پارلیمنٹ بھی سوہارتو کے احکامات پر انگوٹھا لگاتی رہی ہے، لیکن موجودہ پارلیمنٹ تو بالکل ایک کھلونے کی طرح ہوگی۔ اس کے سہارے فوجی ٹولہ اور بھی دیدہ دلیری کے ساتھ من مانیاں کر رہا ہے۔ دوسری سیاسی پارٹیوں سے تعلق رکھنے والے اراکین بھی نئے نظام کے وفادار گردانے جاتے ہیں اور ان میں کسی قسم کا بائیں بازو کا رجحان نہیں پایا جاتا کیونکہ الیکشن لڑنے سے پہلے فوجی حکام ان کے ناموں کی منظوری دے چکے تھے۔ اس لئے یہ پارٹیاں اور اور ان کے اراکین دراصل فوجی ٹولے اور اس کی پارٹی گولکر کی حمایت کرتے ہیں اور ان کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ اس طرح سوہارتو ٹولہ ان "قانونی" اسمبلیوں کے ذریعے اپنے ہاتھ مضبوط کر رہا ہے اور عوامی تحریکوں کو کچلنے کے لئے دھڑلے کے ساتھ انتقامی کارروائیاں کر رہا ہے۔ سوہارتو حکومت نے ایک طرف تو پورے انڈونیشیا میں ارتکازی کیمپ قائم کر رکھے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں محب وطن افراد کو جیلوں میں ٹھونس رکھا ہے اور دوسری طرف وہ اجارہ دار امریکی سرمایہ داروں کے مفادات کا تحفظ کر رہی ہے۔

سوہارتو ٹولہ، سامراجیوں کا کھلونا

اپنے پانچ سال سے زیادہ طویل، وحشیانہ دور حکمرانی میں انڈونیشیا کی فوجی حکومت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ کمپراڈور، نوکر شاہی، سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہے اور امریکی سامراج اور دوسرے اجارہ دار سرمایہ داروں کے مفادات کا تحفظ کرنے کے لئے اپنے عوام کے حقوق سلب کر رہی ہے۔ بدعنوان فوجی جرنیل قومی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ ملک کے قدرتی وسائل کو فروخت کر کے جو آمدنی ہوتی ہے، وہ عوام کی فلاح و بہبود کی بجائے برسر اقتدار فوجی ٹولے کا بنک بیلنس بڑھانے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ غیر ملکی اجارہ دار سرمایہ داروں کے لئے ملک کے دروازے کھول کر ان وطن فروشوں نے انڈونیشیا کو ایک نئے طرز کی نوآبادی بنا دیا ہے۔ اس حکومت کے چند سالہ دور میں غیر ممالک کے ۳۵۵ اداروں نے، ایک ارب چالیس کروڑ امریکی ڈالر کے سرمائے سے، پورے انڈونیشیا میں اپنا لوٹ مار کا "آپریشن" شروع کیا، اور اب وہ انڈونیشیا کے محنت کشوں کے خون پسینے سے حاصل ہونے والی قومی دولت کو بڑے پیمانے پر اپنے ملکوں میں منتقل کر رہے ہیں۔

پورے انڈونیشیا میں تیل پیدا کرنے والے علاقے تقریباً بیالیس غیر ملکی کمپنیوں، زیادہ تر امریکی کمپنیوں، کو فروخت کر دیئے گئے ہیں، اور جب سے اب تک بہت سے ساحلی اور میدانی علاقوں میں تیل کے بڑے ذخیرے تلاش کئے جا چکے ہیں۔ اب ان تمام ذخیروں پر ان بیالیس کمپنیوں کا قبضہ ہے۔ اگر یہ علاقے غیر ملکی کمپنیوں کو فروخت نہ کئے جاتے تو ان سے حاصل ہونے والی دولت عوام کی فلاح و بہبودی کے لئے استعمال کی جا سکتی تھی۔ اس سلسلے میں سرکاری آئل کمپنی "پرتامینا" کا بدنام زمانہ ڈائریکٹر لیفٹیننٹ جنرل ابنوسوتو وو غیر ملکی تیل کمپنیوں کو اپنے ملک میں مدعو کرنے اور ان سے رشوت حاصل کر کے انہیں مراعات دینے میں بڑا گھناؤنا کردار ادا کر رہا ہے۔

کلیمنتان، سماترا، سلاوسی اور دوسرے جزیروں کے ۱۴۴ علاقوں کو جن میں بہترین عمارتی لکڑی پیدا ہوتی ہے، ۵۰ غیر ملکی کمپنیوں کے مراعات یافتہ علاقوں (CONCESSIONS) میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ یہ تمام علاقے ایک کروڑ پچپن لاکھ ایکڑ کے رقبے پر محیط ہیں۔ بعض بڑی بڑی غیر ملکی کمپنیاں پورے انڈونیشیا میں کانوں سے نکل، تانبہ، ٹین، یہاں تک کہ یورینیم بھی نکال رہی ہیں اور اس دولت کا بہت بڑا حصہ ان کے ملکوں میں منتقل ہو رہا ہے۔

گولکر کی کامیابی کے بعد وطن کو دشمنوں کے ہاتھ فروخت کرنے کی مہم اور تیز ہو گئی ہے۔ رجعت پسند فوجی جرنیل غیر ملکی کمپنیوں کی اس سرمایہ کاری کے بارے میں بڑی ڈینگیں مار رہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرح وہ ملک کی دولت کو دوسرے اجارہ دار سرمایہ دار ملکوں میں منتقل کر رہے ہیں۔ سوہارتو حکومت انتہائی رجعت پسند کمپراڈور اور نوکر شاہی سرمایہ داروں کی حکومت ہے جو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت جنوب مشرقی ایشیا میں امریکہ کی بین الاقوامی اسٹریٹیجی کے تحت کام کر رہے ہیں۔

تضادات بڑھ رہے ہیں۔

گذشتہ دو سالوں کے درمیان عوام میں بے چینی اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ وہ یہ دیکھ چکے ہیں کہ "ترقی"، "صنعت کاری" (INDUSTRIALIZATION) "پانچسالہ منصوبے" اور اسی قسم کے دوسرے بلند بانگ دعووں کا مطلب محض یہ ہے کہ سوہارتو ٹولی ایک چھوٹے سے مراعات یافتہ طبقے کے مفادات کا تحفظ کر رہی ہے، اور انہیں عوام کے وسیع مفادات سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ طاقت کا استعمال بڑی بے دردی سے کیا جا رہا ہے اور کھلم کھلا جمہوریت کا قتل عام کیا جا رہا ہے نام نہاد "نئے نظام" نے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ محنت کش عوام کے مسائل اور زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ فوجی جرنیلوں کی بدعنوانیوں کے خلاف عوام میں وسیع پیمانے پر بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ اور وہ کھل کر ان کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ فوجی اور غیر فوجی حلقوں کے درمیان تضادات بھی تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ پیشہ ور سیاستدانوں کو اس بات کا احساس ہو رہا ہے کہ برسر اقتدار فوجی جرنیل ان کے حکمرانی کے "بنیادی حقوق" پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ اسی لئے وہ ان جرنیلوں کے خلاف محاذ بنا رہے ہیں۔ اور اب یہ بات کھل کر سامنے آ چکی ہے۔ سوہارتو ٹولی کے حامی بہت سے حلقوں کو بھی اس بات کا احساس ہو رہا ہے کہ اب خود ان کے مفادات خطرے میں پڑ گئے ہیں۔ اسی لئے وہ اب زیادہ جرأت کے ساتھ اس حکومت کی پالیسیوں پر تنقید کرنے لگے ہیں۔ ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۰ء میں نوجوانوں اور طالب علموں نے انڈونیشیا کے بڑے شہروں میں وسیع پیمانے پر مظاہرے کئے تھے اور "عوام کی خود مختاری کا تحفظ کرنے" کے لئے بہت سی

باقی صفحہ ۲۷ پر ملاحظہ فرمایئے

پرائیویٹ ہسپتال

پردہ چاک

ڈاکٹر کی معائنہ فیس ۸۰ روپے

ملازم کی ماہانہ تنخواہ ۷۰ روپے

پرائیویٹ ہسپتالوں میں آمدنی اور اخراجات کے جعلی گوشوارے تیار کئے جاتے ہیں

الفتح رپورٹ

سرکاری ہسپتالوں میں مریضوں کے ساتھ جو غیر انسانی سلوک کیا جاتا ہے اس کے بارے میں آپ نے بے شمار واقعات دیکھ یا سن رکھے ہوں گے۔ اخبارات میں آئے دن اس کے متعلق خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ عوام نے ان سرکاری ہسپتالوں کی دھاندلیوں اور بدعنوانیوں کو یہ سوچ کر صبر کر لیا کہ یہ سرکاری ہسپتال ہیں، سرکاری نگرانی میں چلنے والے اداروں کا یہی حشر ہوتا ہے، لیکن آپ کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ پرائیویٹ کلینک اور ہسپتالوں میں بھی کم و بیش یہی عالم ہے۔ حالانکہ پرائیویٹ کلینک اور ہسپتالوں کے مریض اپنے علاج پر سینکڑوں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔

کراچی کے ایک پرائیویٹ ہسپتال کے ایک ملازم نے بتایا ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ پرائیویٹ کلینک اور ہسپتالوں کے مالکان کی بدعنوانیاں اور ملازمین کے ساتھ ان کا استحصالی رویّہ ہے۔ مالکان دونوں ہاتھوں سے دولت جمع کرتے ہیں، مگر ملازمین کو بنیادی سہولتیں تک فراہم نہیں کرتے حالانکہ کلینک یا ہسپتال کا سارا کام یہی ملازم انجام دیتے ہیں۔ اور زیرِ علاج مریضوں کی چوبیس گھنٹے دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ملازمین جب دیکھتے ہیں کہ ان کی محنت کا پورا معاوضہ نہیں دیا جاتا تو ان میں بددلی اور بے اطمینانی پھیلتی ہے اور وہ اپنے فرائض سے غفلت برتنے لگتے ہیں۔"

کراچی کے صنعتی علاقہ میں سندھ ایمپلائز سوشل سیکورٹی انسٹی ٹیوشن کا ایک ہسپتال ہے۔ جو کنٹریکٹ پر چلایا جاتا ہے۔ لیاقت آباد کے ایک شخص ذوالفقارالدین زلفی نے ۱۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کو اس ہسپتال میں اپنی بیوی کو داخل کرایا۔ اسی رات کو اس کی بیوی نے آپریشن کے بعد ایک بچی کو جنم دیا۔ آپریشن سے قبل اُس نے "لیبر روم" میں اپنے کپڑے، باسکٹ، برقعہ اور ضروری سامان چھوڑ دیا تھا، صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے ہسپتال کے ملازمین سے اپنے سامان کے متعلق پوچھا۔ مگر اسے اطمینان بخش جواب نہیں دیا گیا۔ اس نے دوسرے ملازم سے اپنے سامان کے بارے میں استفسار کیا تو اُسے دھمکی دی گئی کہ "وہ اپنی زبان بند رکھے۔ ورنہ نتائج بھگتنے کے لئے تیار رہے۔"

دوسرے دن صبح کو جب ذوالفقارالدین ہسپتال پہنچا تو اسے سارے حالات کا علم ہوا۔ اس نے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ اور اسسٹنٹ میڈیکل سپرنٹنڈنٹ سے زبانی شکایت کی، مگر انہوں نے اس کی بات سننے سے انکار کر دیا۔ دوسرے دن صبح کو اس کی بیگم نے شکایت کی کہ اُسے ہلکی غذا نہیں دی گئی۔ رات کو اس نے کئی بار نرس کو آواز دی، مگر کسی نے اس کی جانب توجہ نہ دی۔ ذوالفقارالدین سمجھ گیا کہ گذشتہ روز میڈیکل سپرنٹنڈنٹ سے شکایت کرنے کی سزا اس کی بیوی کو دی جا رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ نرسنگ اسٹاف کی چند ملازم عورتوں نے اسے دھمکی دی کہ "اگر اس نے اپنے سامان کے بارے میں زیادہ ٹیں ٹیں کی تو ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔

۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو ذوالفقارالدین نے ان تمام واقعات کی اطلاع دوسری بار سوشل سیکورٹی افسر کو دی۔ اس نے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ اور اسسٹنٹ میڈیکل سپرنٹنڈنٹ سے زچّہ کے شوہر کی موجودگی میں درخواست کی کہ مریضہ کی خراب صحت کے پیش نظر اُسے ہلکی غذا، چائے اور پھل دی جائے۔ سیکورٹی افسر کی اس درخواست پر میڈیکل افسر چراغ پا ہو گیا اور اس نے دھمکی دی کہ اگر تم سفارشوں سے باز نہ آئے تو میں کسی دوسری جگہ ٹرانسفر کرا دوں گا۔ ہمارے پاس اتنا فنڈ نہیں ہے کہ ہر مریض کو چائے اور پھل دیا جائے۔ ہسپتال کو ہر ماہ ۳۶ ہزار روپے کا خسارہ ہو رہا ہے۔ جو مریض یہاں علاج کرانا نہیں چاہتا وہ یہاں سے چلا جائے۔ شکایت کرنے والے مریض کو نکال باہر کیا جائے گا۔ سمجھے"

سوشل سیکورٹی کے ہسپتال میں زچہ، اس کے شوہر سوشل سیکورٹی افسر کے ساتھ انتہائی اہانت آمیز سلوک کیا گیا۔ زچہ کے کپڑے، نقد روپے اور دیگر سامان واپس نہیں کیا گیا۔ شکایت کرنے پر زچہ کو تنگ کیا گیا اور اُسے اتنا ہراساں کیا گیا کہ وہ انتہائی کمزوری کی حالت میں ہسپتال چھوڑنے پر مجبور ہو گئی۔

مذکورہ بالا واقعہ سندھ ایمپلائز سوشل سیکورٹی انسٹی ٹیوشن کے ہسپتال میں پیش آیا۔ آیئے کراچی کے ایک دوسرے پرائیویٹ کلینک "اینجل سریا" کا حال احوال دریافت کریں جہاں ہر مریض سے میڈیکل فیس ۶۵ روپے یومیہ

ہسپتال میں بے ہوش مریضہ کا سامان غائب کر دیا گیا

چارج کیا جاتا ہے۔ لیکن اس نرسنگ ہومز میں چوبیس گھنٹے مریضوں کی دیکھ بھال کرنے والے ملازمین کو بنیادی سہولتیں تک نہیں دی جاتیں اور احتجاج کرنے والوں کو انتقامی کارروائی کا نشانہ بنا کر برطرف کر دیا جاتا ہے۔

ایسا کل سرمایہ میں مالک آقا اور مزدور غلام ہیں یہاں ملازمتوں پر صنعتی تعلقات آرڈیننس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ حکومت نے اس کلینک پر کبھی توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ آمدنی اور اخراجات کا جعلی گوشوارہ پیش کر کے سالانہ لاکھوں روپے خورد برد کئے جاتے ہیں۔ انتظامیہ نے اپنے آڈیٹر رکھے ہوئے ہیں۔ جو جعلی گوشوارہ تیار کر کے جعلی اکاونٹ سرٹیفکیٹ جاری کر دیتے ہیں۔

ملازمین کو ہر قسم کی سہولتوں سے محروم رکھا گیا ہے ان سے چوبیس گھنٹے کام لیا جاتا ہے، مگر اوور ٹائم نہیں دیا جاتا۔ طبی سہولتیں فراہم نہیں کی جاتیں۔ بونس نہیں دیا جاتا۔ اس ادارے میں پراویڈنٹ فنڈ کا کوئی رواج نہیں ہے۔ ملازمین کو آمدنی میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا۔ کینٹین کی سہولت بھی نہیں دی جاتی، ہفتہ واری چھٹی نہیں دی جاتی، آئے دن ملازمین کی زبانی برطرفیاں جاری رہتی ہیں، ملازمتوں کا تحفظ نہیں ہے۔ یونین اور انتظامیہ کے درمیان ہونے والے معاہدوں کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ اور احتجاج کرنے والوں کو کھڑے کھڑے نرسنگ ہومز سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔

نرسنگ ہومز کے قریبی ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ زیادہ اخراجات دکھانے کے لئے اپنے رشتہ داروں کے نام پر تنخواہ کی جگہ موٹی موٹی رقمیں دکھائی جاتی ہیں۔ "کالا روپیہ" چھپانے کے لئے پرائیویٹ ڈاکٹروں سرجنوں اور ماہرین کو ایک معائنہ پر ہسپتال کے اکاونٹس سے ۶۰ روپیہ سے لے کر ۸۰ روپے تک دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ہسپتال کے ملازمین کو ۲۰۰ روپیہ کی بجائے ۷۰ روپیہ ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے۔ یونین کے عہدیدار اگر ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کے لئے مطالبہ کرتے ہیں تو انہیں بیروزگار کر دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف چلتے اور چمچوں کو ہر طرح سے نوازا جاتا ہے۔ اور انہیں زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مذکورہ بالا حقائق ایک ایسے نرسنگ ہومز کے ہیں جہاں مریضوں سے ۶۵ روپے یومیہ چارج کئے جاتے ہیں۔ اس میں مریض کو دوائیاں نہیں دی جاتیں دوائیوں کے لئے مریضوں کو علیحدہ سے روپیہ جمع کرانا پڑتا ہے۔ کالا روپیہ پوشیدہ رکھنے کے لئے جعلی اخراجات تیار کئے جاتے ہیں۔ اور ہر سال لاکھوں روپیہ کسی نہ کسی طرح مالکان کی جیب میں منتقل ہو جاتا ہے، لیکن ہسپتال چلانے والے ملازمین کو اتنی تنخواہ بھی نہیں ملتی کہ وہ اپنے یومیہ اخراجات پورے کر سکیں۔ اس قسم کے پرائیویٹ کلینک اور ہسپتالوں کے مالکان عموماً بااثر اور سرکاری حلقوں میں دور تک رسائی رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے سرکاری مشینری ان کی جانب توجہ نہیں دیتی اور اگر کوئی سرپھرا دھاندلی، لوٹ کھسوٹ اور بدعنوانی کا خاتمہ کرنے کا بیڑہ اٹھاتا ہے تو مالکان اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ اس کا بیڑہ غرق کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

پرائیویٹ ہسپتالوں کی لوٹ کھسوٹ کے بارے میں ایک اکاونٹنٹ مقصود احمد نے بتایا کہ ایک مرتبہ اس کی بہن سخت بیمار پڑ گئی۔ اس کی خطرناک حالت کے پیش نظر اسے بندر روڈ کے ایک پرائیویٹ ہسپتال میں داخل کرانا پڑا۔ ڈاکٹر نے داخلے کے ایک ہفتے بعد بتایا کہ مریضہ کا آپریشن کیا جائے گا۔ اس کے لئے اس کو ۱۲ سو روپے فی الفور جمع کرانے پڑیں گے۔ مقصود احمد پہلے ہی پریشان تھا۔ اب ایک نئی افتاد آ پڑی تھی۔ اس نے ادھر ادھر بھاگ دوڑ کر کے کہیں نہ کہیں سے نو سو روپے جمع کر لئے، ہسپتال کے منیجر سے ملا اور اس سے اپنی مالی پریشانی کا ذکر کرتے ہوئے درخواست کی کہ بقیہ رقم وہ اپنی تنخواہ سے ادا کرے گا۔ لیکن منیجر نے آپریشن سے انکار کر دیا۔ اور کہا "یہ خیراتی ہسپتال نہیں ہے، اگر تمہارے پاس رقم نہیں تھی تو اپنی بہن کو یہاں کیوں لائے، کسی خیراتی ہسپتال میں داخل کرا دیتے جہاں آپریشن کا ایک پیسہ بھی نہیں لیا جاتا۔"

اکاونٹنٹ مقصود احمد نے بڑی منت سماجت کی کہ کسی طرح اس کی بہن کی جان بچ جائے۔ مگر تین سو روپوں کی خاطر اس عظیم الشان پرائیویٹ ہسپتال نے کے منیجر نے آپریشن کی اجازت دینے سے انکار کر دیا، اور ایک ہفتے کے اخراجات کا بل وصول کر کے مقصود احمد —— کی بہن کو انتہائی خطرناک حالت میں ہسپتال سے چھٹی دیدی گئی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب پرائیویٹ ہسپتال اور کلینک مریضوں سے فیس اور اخراجات کی صورت میں بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے ہیں تو پھر ملازمین خصوصاً چھوٹے ملازمین کے ساتھ اس قدر ناانصافی کیوں کی جاتی ہے؟ انہیں بنیادی سہولتیں تک نہیں دی جاتیں جب کہ پورے ہسپتال کا انتظام ان کے کندھوں پر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مریضوں سے بھی حسن سلوک کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔ بدعنوانی، لوٹ کھسوٹ اور دھاندلی کا چرچا ہے، مگر حکومت اپنے کانوں میں تیل ڈال کر اونگھتی رہتی ہے۔ اور اس بات کی مطلق خبر نہیں لیتی کہ مریضوں سے سینکڑوں روپیہ وصول کرنے کے باوجود ان پرائیویٹ کلینک، نرسنگ ہومز اور ہسپتالوں میں مریضوں اور ملازمین کی حق تلفی کیوں کی جاتی ہے۔ اگر حکومت پرائیویٹ کلینک اور ہسپتالوں کو اسی طرح کھلی چھوٹ دیتی رہی اور مالکان کا ہاتھ پکڑا نہ گیا تو وہ اپنی دھاندلیوں اور بدعنوانیوں میں مزید اضافہ کر دیں گے۔

تل ابیب کی خاک پر ہٹلر کا سایہ پھیل رہا ہے

لندن آبزرور نے اپنے نمائندے کے حوالے سے اس بات کا لرزہ خیز انکشاف کیا ہے کہ تل ابیب میں فلسطینی نظر بندوں کے ساتھ انتہائی وحشیانہ سلوک کیا جا رہا ہے۔ چند روز پیشتر غزہ پٹی سے تعلق رکھنے والے ۳۵ عربوں کو انتہائی خراب و خستہ حالت میں ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ جنگی کیمپ میں اسرائیلی سپاہیوں نے انھیں اتنی بیدردی سے مارا پیٹا تھا کہ ان کا سارا جسم لہولہان ہو گیا۔ ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ کولھے کی ہڈیاں باہر نکل آئیں۔ رخسار اور پیشانی کی ہڈیاں تربوز کی طرح پھٹ گئیں۔ اور خون کے سرخ سرخ قطرے جمنے کے بعد سیاہ ہو گئے تھے۔ جب انھیں ٹرک سے اتار کر ہسپتال میں منتقل کیا جا رہا تھا تو ان کی ناگفتہ حالت دیکھ کر آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ دل بھر آیا۔ بڑا دلدوز منظر تھا ــــ دوسری جنگِ عظیم کے دوران گسٹاپو کے مظالم کی داستانیں پیچ نظر آنے لگیں۔

۳۵ عربوں کے جسم مفلوج کر دیئے گئے

مقبوضہ عرب علاقوں میں دہشت گردی کا بازار گرم ہے

عربوں کے آٹھ سو مکانات مسمار کر دیئے گئے

نعیم الحسن

ہٹلر جرمن قوم کو دنیا کی تمام قوموں کے مقابلے میں اعلیٰ و ارفع سمجھتا تھا۔ اس کا نعرہ تھا ہم دنیا پر حکمرانی کے لئے پیدا ہوتے ہیں، وہ یہودیوں سے سخت نفرت کرتا کیونکہ جرمنی میں مٹھی بھر یہودی تاجروں نے پوری معیشت پر قبضہ کر رکھا تھا۔ ہٹلر جرمنی کی تباہ حالی کی ذمہ داری، یہودیوں پر ڈالتا تھا۔ دوسری جنگ کے آغاز کے ساتھ ہی جرمنی میں مقیم یہودیوں پر اس قدر مظالم توڑے گئے کہ تاریخ کے صفحات پر پھیلی ہوئی ظلم و ستم کی ساری داستانیں ماند پڑ گئیں۔ چنگیز اور ہلاکو کی خونخواری اور درندگی لیس پڑیں ہی سی نظر آنے لگی۔ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد دنیا بھر کے امن پسند عوام نے یہودیوں پر کئے جانیوالے مظالم کا اعتراف کیا۔ اور ان کے لئے بے پناہ ہمدردی کا اظہار کیا گیا۔ ظلم کہیں ہو اور کسی پر ہو۔ ظلم، ظلم ہے اور اس کی مذمت کی جانی چاہیئے۔ دوسری جنگ کی تباہ کاری اور انسانیت سوزی کے بعد اقوام عالم میں یہ بات پوری شدت کے ساتھ محسوس کی جانے لگی کہ تاریخ کے جابر چنگیز، ہلاکو، ہٹلر اور مسولینی کو بار بار چہرے تبدیل کر کے انسانیت کو تباہ و برباد کرنے کی اجازت ہرگز نہ دی جائے۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو دنیا کے سارے انسان ان جابروں کی خوں آشامی کی بھینٹ چڑھ جائیں گے۔ صدیوں پر محیط انسانی تہذیب و ثقافت کی عمارت کھنڈر میں تبدیل ہو جائے گی ــــ یہ سوچ ہر جگہ یکساں تھی اور اسی سوچ نے دنیا بھر کے عوام کو ظلم و بربریت، قتل و غارت گری۔ اور وحشیانہ لوٹ مار کے خلاف ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا ــــ

دوسری جنگ کے دوران یہودیوں پر ڈھائے گئے مظالم کے خلاف ہر جگہ نفرت کا اظہار کیا گیا۔ لیکن آج تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ تل ابیب کی خاک سے ایک بار پھر چنگیز، ہٹلر اور مسولینی جنم لے رہے ہیں۔ کل تک جس قوم کے لئے محبت اور ہمدردی کا اظہار کیا گیا۔ آج وہی قوم ایک بدترین جارح کی صورت میں وہی خونی ڈرامہ کھیل رہی ہے، جو تاریخ کے جابروں، ظالموں اور فاشسٹوں نے مختلف ادوار میں کھیلا تھا۔

لندن آبزرور کے نامہ نگار رقمطراز ہے: "ان ۳۵ عربوں پر مقبوضہ علاقوں میں کچھ اس طرح تشدد کیا گیا کہ ان کے جسم کے بعض حصے مفلوج ہو گئے۔ اور وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ اسرائیلی فوجی شہری آبادی کو بھی اپنے انتقام کا نشانہ بنا رہے ہیں"

نیویارک ٹائمز کے نامہ نگار میر گروس نے اپنے ایک مراسلہ میں فلسطینی عربوں پر توڑے جانے والے مظالم کے متعدد واقعات کا انکشاف کرتے ہوئے لکھا ــــ "فلسطینی عربوں سے راز اگلوانے کے لئے گسٹاپو کی تیکنیک پر عمل کیا جا رہا ہے۔ اسرائیلیوں کی اس دہشت انگیز پالیسی سے مقبوضہ علاقوں کے عرب تو عرب اسرائیلیوں کی بڑی تعداد خوف و دہشت میں مبتلا ہے۔ اگر کسی عرب باشندے کی چال میں خلافِ معمول تیزی پیدا ہو جاتی ہے تو اسرائیلی فوجی اسے فلسطینی چھاپہ ماروں کا ایجنٹ سمجھ لیتے ہیں۔ اسے پکڑ کر تل ابیب کے عقوبت خانے میں لے جاتے ہیں۔ اور اس کا حلیہ کچھ اس طرح بگاڑ دیتے ہیں کہ اس معصوم اور بے گناہ شخص کی صورت تک پہچانی نہیں جاتی۔ اسرائیلی حکام مقبوضہ علاقوں کی شہری آبادی کو بھی اپنی دہشت گردی کا نشانہ بنانے سے نہیں چوکتے۔

سنڈے ٹائمز کے نامہ نگار ہوچکنز جو اسرائیل کا دوست سمجھا جاتا ہے، اس نے اپنے مراسلے میں تحریر کیا ہے ــــ "عرب مقبوضہ علاقوں میں اسرائیل کا قانون چل رہا ہے۔ مقبوضہ علاقوں کے علاوہ اسرائیل کی حدود میں رہنے والے عرب باشندوں کو ان کے تمام حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ کسی بھی عرب کو محض شک کی بنا پر گرفتار کر کے اسے اس کے گھر میں نظر بند کیا جا سکتا ہے۔ جرم بتائے بغیر اسے

اسرائیلی وکیل نے اپنی قوم سے بغاوت کردی

غیر معینہ مدت کے لئے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میں سڑایا جاسکتا ہے"۔۔۔۔ اس نے مزید انکشاف کرتے ہوئے لکھا ہے۔" ایک اسرائیلی فوجی کے ذریعہ اس بات کا علم ہوا کہ اسرائیلی حکام اگر کسی مقبوضہ علاقے کو عرب باشندوں سے خالی کرانا چاہتے ہیں تو اس علاقے کے لئے غذائی اجناس اور پانی کی سپلائی بند کردی جاتی ہے۔ بے گناہ عرب باشندے چند روز فاقہ کرنے کے بعد کسی دوسرے علاقے کی جانب انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں کوچ کرنے لگتے ہیں۔

برطانوی پارلیمنٹ کے رکن کیرول جانسن نے ٹائمز میں ایک مراسلہ روانہ کیا ہے جس میں اسرائیل کے ظلم و تشدد کے کئی واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ انھوں نے مقبوضہ علاقوں سے عرب باشندوں کے جبری انخلاء اور ان کے گھروں کو مسمار کرنے کے واقعات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے۔ غزہ کے مقبوضہ علاقے میں عرب باشندوں کو جن تباہ کن حالات کا سامنا ہے، ان کے پیش نظر یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اسرائیلی حکام غیر معمولی بربریت اور درندگی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ عرب باشندوں کو کم سے کم چوبیس اور زیادہ سے زیادہ چھتیس گھنٹے کے نوٹس پر علاقہ چھوڑنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ مقررہ وقت گزرنے کے بعد ان کے گھروں کو بارود سے اڑا دیا جاتا ہے۔

اسرائیلی شہری حقوق ایسوسی ایشن کے چیرمین نے میڈل ایسٹ انٹرنیشنل میں انکشاف کیا ہے کہ عربوں اور فلسطینی باشندوں کو جسمانی اور ذہنی اذیت دینے کے لئے صحرائے سینائی کے علاقہ ابوزونیما میں عقوبت گاہیں تعمیر کی گئی ہیں۔ ان میں معصوم اور بے گناہ عربوں اور فلسطینی حریت پسندوں کو ایسی ایسی خوفناک سزائیں دی جاتی ہیں کہ جنھیں دیکھ کر اور سن کر پتھر دل کانپ اٹھتے ہیں۔ جنگی کیمپوں اور عقوبت خانوں میں عرب بچوں کو بھی معاف نہیں کیا جاتا۔ ان کے بے داغ اور کومل جسموں کو سوئی اور کانٹوں سے چھلنی کردیا جاتا ہے۔

برطانوی صحافی مائیکل ادم نے اسرائیلی حکام کی اس دہشت گردی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے۔ "میں اسرائیل میں ظلم و تشدد کے ان واقعات کا عینی شاہد ہوں۔ میں نے چار سال نازی کیمپ میں گزارے ہیں، مگر اسرائیل میں دی جانے والی سزائیں نازیوں سے بھی بڑھ گئیں۔

نیویارک ٹائمز کے نامہ نگار ٹیرنس اسمتھ نے تل ابیب سے ایک مراسلہ میں اسرائیلیوں کی خون آشامی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ۔۔۔۔ اسرائیلی فوجیوں نے مغربی ساحلی علاقہ کے ایک عرب گاؤں کو فلسطینی چھاپہ ماروں کو پناہ دینے کے الزام میں تباہ و برباد کردیا۔ ٹریکٹر چلا کر چھ ہزار عرب باشندوں پر مشتمل آٹھ سو مکانات کو زمین کے برابر کردیا گیا۔ اسرائیلی حکام نے یہی کارنامہ خلیل کے علاقہ میں بھی انجام دیا۔

مغربی جرمنی کے ہفت روزہ "ڈراسپائیگل" نے اپنے ایک حالیہ شمارے میں فلسطینی عربوں پر مظالم کی ایک رپورٹ شائع کی ہے۔ جس میں انکشاف کیا گیا ہے کہ عربوں کے گھروں کو نذرِ آتش کرکے انھیں بے دخل کرنے کے واقعات میں زبردست اضافہ ہو چکا ہے۔ اکثر و بیشتر یہ منظر دیکھنے میں آتا ہے کہ جلے ہوئے مکانات کے ملبے پر عربوں کے چھوٹے چھوٹے بچے حسرت و یاس کی تصویر بنے نظر آتے ہیں۔ کفین نامی قصبہ، دو سو پچاس عربوں پر مشتمل تھا۔ اسرائیلی حکام نے بارود کے ذریعہ پورے گاؤں کو بھک سے اڑا دیا۔

موشے دایان نے اپنی نگرانی میں عرب بستی کو ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کردیا

جب میں وہاں پہنچا تو اس جگہ سوائے سیاہ دھوئیں کے بادلوں کے جو چکراتے ہوئے بلندی کی جانب اٹھ رہے تھے کوئی دوسری چیز نظر نہ آئی۔ اسرائیل کے وزیر دفاع موشے دایان نے اپنی ذاتی نگرانی اور ہدایات میں اس قصبے کو ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کردیا۔

اسرائیل کے فوجی اکثر و بیشتر مقبوضہ علاقوں کی عرب بستیوں میں گھس کر خانہ تلاشی لیتے ہیں۔ دورانِ تفتیش سارا سامان ادھر ادھر بکھیر کر تباہ کردیتے ہیں۔ "گرین بیریٹس ڈویژن" نے کیفر قاسم میں ہلاکت و بربادی کا ایسا خونی ڈرامہ رچایا کہ اسرائیلیوں کے پچھلے سارے مظالم ماند پڑ گئے۔ تفتیش کے دوران عرب عورتوں کو تلاشی کے بہانے ننگا کردیا جاتا ہے۔ اور پھر انھیں حکم دیا جاتا ہے کہ وہ دیوار سے لگ کر کھڑی ہوجائیں۔ انھوں نے ہسپتال جانے والی ایک گاڑی کو روک لیا اور اس میں بیٹھی ہوئی تمام نرسوں کو نیچے اتار کر انھیں عریاں کردیا گیا اور پھر بڑی بے شرمی کے ساتھ ان کی تلاشی لی گئی۔

گرین بیریٹس اسکواڈرن کو غزہ کے مقبوضہ علاقوں کی نگرانی کا کام سونپا گیا ہے۔ اس کے فوجیوں کو جدید اور خطرناک قسم کے اسلحہ سے لیس کیا گیا۔ اس کے علاوہ عربوں کو جانوروں کی طرح ہانکنے اور مارنے کے لئے انہیں چابک اور لچکدار چھڑی بھی دی گئی ہے۔ سر راہ کسی بھی راہگیر کو پکڑ لیا جاتا ہے پھر اسے ذلیل کرکے اس کی پٹائی کی جاتی ہے۔ کبھی کبھی پٹائی اتنی شدید ہوتی ہے کہ اس کے جسم کی ہڈیاں تک چٹخ جاتی ہیں۔

ایک اسرائیلی وکیل الیف لینگر، کی زبانی عرب قیدیوں کا احوال سنئے ۔۔۔۔ "میرا کام عرب قیدیوں کو نظر بندی کے دوران تشدد اور مار پیٹ سے بچانا ہے۔ میں اکثر اوقات قید خانوں میں جاکر عرب قیدیوں کی شکایات سنتا ہوں۔ ایک مرتبہ میں تل ابیب کی ایک جیل میں عرب قیدیوں سے اسرائیلی حکام کے برتاؤ کے بارے میں معلومات حاصل کررہا تھا۔ ایک عرب قیدی نے اپنے ننگے جسم کو دکھاتے ہوئے کہا "اسرائیلی فوجیوں نے مار مار کر مجھے ادھ موا کردیا"۔ ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس جیل کا انچارج بڑے غصے کے عالم میں کمرے میں گھس آیا اور میری موجودگی میں اس عرب کو چابک سے اتنا مارا اتنا مارا کہ وہ غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ میری موجودگی میں عرب قیدی کیساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا گیا اس سے میری اپنی پوزیشن کا پتہ چل گیا۔ یہ میری سراسر توہین تھی چنانچہ میں احتجاجاً جیل سے باہر نکل گیا"۔

تل ابیب کی ایک جیل میں فلسطینی حریت پسند خاتون ابلاطحی پر جو بدترین مظالم ڈھائے گئے اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ جب اسے اسرائیلی وکیل الیف لینگر سے ملنے کی اجازت دی گئی تو وہ جیل کے ملاقاتی کمرے میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس اس جگہ فلسطینی جیل کا وارڈن انسپکٹر گولان بھی موجود تھا۔ ابلاطحی نے اسرائیلی وکیل کو اپنے حالات بتاتے

ہوئے کہا۔

"مجھے گرفتار کرنے کے بعد ایک ایسے کمرے میں بند کیا گیا، جہاں اسرائیلی طوائفیں تھیں۔ انھوں نے مجھے پکڑ کر میرے جسم سے ایک ایک لباس اتار دیا۔ اور میرے جسم کے مختلف حصوں کو اپنے ناخن اور دانتوں سے کاٹ کاٹ کر لہو لہان کر دیا۔ میری مسلسل چیخوں کے باوجود کسی نے توجہ نہ دی، بلکہ کوٹھری کے باہر ایک اسرائیلی سپاہی میری دُرگت بنتے دیکھ کر زور زور سے قہقہے لگانے لگا اس سپاہی کا نام "دویک" ہے۔ میں اس وقت حاملہ تھی، مجھ پر اتنی ضربیں اور چوٹیں لگائی گئیں کہ خون جاری ہو گیا۔ مگر مجھے طبی امداد فراہم نہ کی گئی۔"

عقلان کے جیل خانے میں ہر قسم کے اخبارات پر پابندی ہے۔ اس جیل میں ایک عرب قیدی نے جیل کے ڈپٹی ڈائریکٹر کو "سر" کہنے سے انکار کر دیا چنانچہ اس جرم میں عرب قیدی پر اس قدر جسمانی تشدد کیا گیا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اور جب ہوش میں آیا تو وہ اپنا ذہنی توازن ہمیشہ کے لئے کھو چکا تھا۔ عقلان کا کوئی قیدی جیل کے کسی آدمی کو سر جھکائے بغیر متوجہ نہیں کر سکتا۔ قیدیوں کو اپنا مدعا بیان کرنے کے لئے صرف ایک منٹ کا وقت دیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا واقعات میں مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ یہ سارے واقعات امریکہ اور برطانیہ کے بڑے بڑے اخبارات اور ہفت روزہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور بیشتر نامہ نگاروں کا تعلق ان اخبارات سے ہے جن کی ہمدردیاں اسرائیل کے ساتھ ہیں۔ اس کے باوجود وہ اس بات پر مجبور ہیں کہ عرب باشندوں پر اسرائیلی حکام کے ظلم و ستم کے واقعات کی نشاندہی کریں۔

تل ابیب کے عقوبت خانوں اور عرب مقبوضہ علاقوں میں عرب باشندوں اور فلسطینی حریت پسندوں کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا جا رہا ہے، وہ ہر اس قوم کے ساتھ ہوتا آیا ہے جو اپنی آزادی، خود مختاری اور بقا کے لئے جدو جہد کرتے ہیں۔ اس قسم کے مظالم آزادی کی راہ میں بڑھنے والے قدم کو نہیں روک سکتے۔ ہر ظلم کے بعد وہ آزادی کی منزل سے زیادہ قریب ہوں گے۔

مثال رضوی

غزل

ہر پھول کے لگائی گئی پیرہن میں آگ
چاروں طرف بھڑکنے لگی ہے چمن میں آگ

شعلہ فشاں ہیں دامن کہسار میں چنار
فیضِ بہار سے ہے ہر اک سمت بن میں آگ

سنگِ گراں جو تھے خس و خاشاک بن گئے
پھیلا گئی ہے آتشِ احساس تن میں آگ

جس سے قبائے عظمتِ پرویز جل گئی
وہ عشق نے لگائی دلِ کوہکن میں آگ

شبنم اُسے بُجھا نہ سکے گی تمام عُمر
لگ جائے کاش حلقۂ چرخِ کہن میں آگ

ہم بھی لپیٹ میں انہیں شعلوں کے آگئے
جب لگ رہی تھی وادیٔ گنگ و جمن میں آگ

سینے میں پھنک رہا ہے جگر اسطرح مثالؔ
مرقد میں لگ گئی ہو کسی کے کفن میں آگ

انقلاب کے مقدس شہر ینان میں چار دن

چین کے انقلاب نے شمالی شینسی کے غاروں سے جنم لیا

ینان میں صدر ماؤ نے دس سال گزارے

احفاظ الرحمان





میوزیم کی گائڈ وانگ چھن شیا


سرخ فوج کے بے سروسامان سپاہیوں نے بندوق اور باجرے سے انقلاب کی راہ ہموار کی

سات اگست کو ہم ینان میں تھے۔ شی آن سے ینان تک ڈیڑھ گھنٹے کی پرواز تھی۔

ینان کو چینی انقلاب کا مقدس شہر کہا جاتا ہے۔ لانگ مارچ کے بعد صدر ماؤ نے شمالی شینسی میں تیرہ سال گزارے جن میں سے دس سال (جنوری ۳۷ء سے مارچ ۴۷ء تک) ینان میں گذرے۔ اس طرح ۳۷ء سے ۴۷ء تک ینان کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا صدر مقام تھا۔ یہاں صدر ماؤ سمیت مرکزی کمیٹی کے تمام ارکان اور تمام فوجی غار نما مکانات میں رہتے تھے۔ ان غاروں کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صدر ماؤ نے ایک بار طالب علموں کے ایک گروپ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"چین کے انقلاب نے شمالی شینسی کے غاروں سے جنم لیا ہے!"

شمالی شینسی میں غار نما مکانات اب تک موجود ہیں۔ یہ مکانات مٹی کی پہاڑیوں کو کاٹ کر بنائے جاتے ہیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں سرد رہتے ہیں۔ صدر ماؤ جنوری ۳۷ء میں ینان پہنچے تھے۔ اس دوران کومنتانگ کے طیارے ینان پر بار بار بمباری کرتے رہے، اس لئے انہیں چار بار اپنی رہائش گاہ تبدیل کرنی پڑی۔

ینان چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اور دفاعی لحاظ سے اسٹریٹجک اہمیت رکھتا ہے۔ ان تیرہ سالوں کے دوران کومنتانگ کی افواج بار بار یلغار کرتی رہیں، لیکن انہیں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ جب ان کا زور بڑھتا تو کمیونسٹ افواج پیچھے ہٹ جاتیں اور موقع پا کر ان پر چڑھائی کر دیتیں۔

جب صدر ماؤ اور مرکزی کمیٹی کے ارکان ینان آئے تھے تو اس وقت یہاں صرف چند سو گھرانے آباد تھے۔ سرخ افواج کی آمد کے بعد اس کی آبادی ایک لاکھ بیس ہزار تک پہنچ گئی۔ اس وقت ینان کی آبادی ستر ہزار ہے۔ ینان چینی انقلاب کا گہوارہ ہے، اور روزانہ دور دور سے ہزاروں ملکی اور غیر ملکی انقلابی یہاں آتے ہیں۔ ینان کے شمال میں ایک پہاڑی پر تیرہ سو سال پرانا پگوڈا ہے، جو ینان کا سمبل ہے۔ یہ پگوڈا جو پتھر کی اینٹوں سے بنایا گیا ہے، اب تک جوں کا توں کھڑا ہے۔

ستر ہزار آبادی کا یہ شہر نہ تو زرعی اعتبار سے کوئی خصوصیت رکھتا ہے اور نہ صنعتی میدان میں ترقی یافتہ ہے، اس کے باوجود یہاں ہمیشہ رونق لگی رہتی ہے۔ اگر آپ چینی انقلاب کا مطالعہ اور کرنا چاہتے ہیں تو ایک طرف تو آپ چنگ کانگ پہاڑ کو اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ اور دوسری طرف ینان سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ ینان میں اپنے چار روزہ قیام کے دوران میں نے چینی انقلاب کے بارے میں بہت کچھ سیکھا۔

یہاں ایک بہت بڑا میوزیم ہے۔ جہاں سینکڑوں نقشے، تصویریں اور چارٹ لگے ہوتے ہیں۔ اگر آپ اس میوزیم کا غور سے مطالعہ کریں تو آپ کو چینی انقلاب اور چینی کمیونسٹ پارٹی کے بارے میں خاصی واقفیت حاصل ہو جائے گی۔ جس دن میں ینان پہنچا، اسی دن سہ پہر کو میں اپنے مترجم، شوئے انگ چے اور بیرونی امور کے ذمہ دار کارکن، شوئے شٹرینگ کے ساتھ یہ میوزیم دیکھنے نکل پڑا۔

وانگ چھن شیا نامی ایک نوجوان لڑکی ہماری گائڈ تھی۔ میوزیم سات حصّوں میں منقسم ہے۔ چینی کمیونسٹ پارٹی کا قیام ۱۹۲۱ء میں شنگھائی میں عمل میں آیا تھا۔ اس وقت اس کے صرف دو بانی اراکین، ماؤزے تنگ اور تنگ پی وو (موجودہ نائب صدر) بقید حیات ہیں۔ باقی تمام فوت ہو چکے ہیں۔ شنگھائی کی کانگریس میں کل "بارہ" اراکین شریک ہوئے تھے، جنہوں نے ۵۰ پارٹی اراکین کی نمائندگی کی تھی۔ جب سے اب تک چینی کمیونسٹ پارٹی میں دس بار دائیں اور بائیں بازو کے انحرافات رونما ہو چکے ہیں۔ لیکن صدر ماؤ کی دانشمندانہ قیادت کے طفیل کمیونسٹ پارٹی تمام بحرانوں سے محفوظ رہی۔


میوزیم کے صدر دروازے پر گائڈ وانگ چھن شیا اور بیرونی امور کے ذمہ دار رکن شوئے شٹرینگ کے ساتھ

شنگھائی کی کانگریس سے قبل چین میں انقلابیوں نے مختلف شہروں میں چھوٹے چھوٹے مارکسی گروپ قائم کر رکھے تھے۔ دوسرے ممالک میں رہنے والے چینیوں نے (فرانس میں چو این لائی اور لی لی سان نے) بھی اس قسم کے حلقے بنا رکھے تھے۔ صدر ماؤ اپنے صوبے، ہونان کے مارکسی گروپ کی قیادت کر رہے تھے۔ انہوں نے ۱۹۱۸ء میں ایک انقلابی تنظیم بنائی تھی، جس کا نام "نئے لوگوں کی سوسائٹی" تھا۔ جب ان مارکسی گروپوں کے درمیان رابطہ قائم ہوا تو انہوں نے شنگھائی میں ایک خفیہ اجلاس منعقد کیا، جہاں کمیونسٹ پارٹی کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اس کانگریس میں تیسری انٹرنیشنل کے مالن (ڈچ) اور نکولوفسکی (روسی) نے بھی شرکت کی، جو بعد میں ٹراٹسکی پسند بن گئے۔ اس وقت لیو شاؤچی ماسکو میں زیر تعلیم تھا۔ وہ جون ۱۹۲۱ء میں پارٹی کا رکن بنا۔ وانگ منگ نے جو بائیں بازو کے انتہا پسندانہ رجحانات رکھتا تھا، ۲۵ء میں پارٹی میں شمولیت اختیار کی۔

اس وقت ایک طرف تو چین اندرونی انتشار میں مبتلا تھا اور دوسری طرف چیانگ کائی شیک اور وانگ چنگ وے جاپان سے پینگیں بڑھا رہے تھے، جو اپنی قوت کے بل پر پورے چین پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتا تھا۔

شنگھائی کی کانفرنس کے بعد مختلف علاقوں کے نمائندوں نے واپس جا کر سرگرمی سے کام شروع کر دیا۔ عوام کومنتانگ کی بدعنوانیوں سے عاجز آ چکے تھے کمیونسٹ پارٹی تیزی سے مزدوروں اور کسانوں میں مقبولیت حاصل کرنے لگی۔

صدر ماؤ نے اپنے آبائی گاؤں شاؤشان میں جا کر کسانوں کے لئے بائیس شبینہ مدرسے کھولے۔ دسمبر ۲۶ء میں انہوں نے کوانگچو (کینٹن) میں کسان تحریک کا انسٹیٹیوٹ قائم کیا۔ جہاں ملک کے کونے کونے سے کسان کارکن تربیت حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ تربیت حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے اپنے علاقوں میں واپس جا کر کسانوں کو منظم کرتے تھے اور انہیں سیاسی تعلیم دیتے تھے۔ ان کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اپریل ۱۹۲۷ء تک کسان انجمنوں کے اراکین کی تعداد ۱۰۲۸۱۶۰۴ تک پہنچ چکی تھی۔ اسکے ساتھ ساتھ انہوں نے کسان تحریک کو مزدور تحریک سے مربوط کرنے کے لئے بھی مؤثر اقدامات کئے۔

متحدہ محاذ میں خود مختاری اور پیش عملی برقرار رکھنا ضروری ہے (صدر ماؤ)

جون ۲۲ء میں کوانگچو میں پارٹی کی تیسری کانگریس منعقد ہوئی۔ اس کانگریس میں صدر ماؤ نے دائیں اور بائیں بازو کے رجحانات کی مخالفت کی اور متحدہ محاذ قائم کرنے پر زور دیا۔ مارچ ۲۶ء میں انہوں نے اپنا مشہور مضمون "چینی سماج کے طبقات کا تجزیہ" تحریر کیا، جس میں انہوں نے یہ بتایا کہ چین میں مختلف طبقات کا کیا کردار ہے اور ترقی پسندوں کو ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کس قسم کا رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ انہوں نے بتایا کہ ہمیں ہر اس شخص کی حمایت حاصل کرنی چاہئے جو کسی حد تک ہمارا ساتھ دے سکتا ہو۔

اس دوران عوام میں بے چینیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ چیانگ کائی شیک کی حکومت انہیں کچلنے کیلئے تشدد کا ہر ممکن ذریعہ استعمال کر رہی تھی۔ مہنگائی عروج پر تھی۔ صبح سے شام تک اشیاء کی قیمتوں کا بھاؤ ایک ایک منٹ میں بڑھتا رہتا تھا۔ طوائفوں اور بھکاریوں کی ریل پیل تھی۔ جیلیں مجرموں سے بھری ہوئی تھیں۔ کومنتانگ کی پولیس قدم قدم پر لوگوں کو ہراساں کرتی تھی۔ ملک کی پوری دولت چار سرمایہ دار خاندانوں کے پاس جمع ہو رہی تھی۔ اس دوران مزدوروں کی بہت سی ہڑتالیں ہوئیں، جن میں سے ہانگ کانگ اور آن یوان کی ہڑتالیں زیادہ مشہور تھیں۔ ہانگ کانگ کے گودی کے مزدوروں نے جون ۲۵ء میں ہڑتال کی تھی، جو پورے سولہ ماہ تک جاری رہی۔ آن یوان کی کوئلے کی کانوں کے مزدوروں نے ۲۶ء میں ہڑتال کی تھی۔ اس ہڑتال میں لیو شاؤچی اور صدر ماؤ کے چھوٹے بھائی ماؤزے منگ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ ان ہڑتالوں نے مزدوروں کی تحریک میں ایک نیا ابھار پیدا کیا، اور وہ کمیونسٹ کارکنوں کی قیادت میں پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کرنے

چینی کمیونسٹ پارٹی میں دس بار دائیں اور بائیں بازو کے انحرافات رونما ہوئے

لگے۔ اس وقت کسان ملک کی اسی فیصد آبادی کی تشکیل کرتے تھے۔ اس لئے کسانوں میں کام کرنا زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ چین کے کسان شروع ہی سے مسلح جدوجہد کے ذریعے فسطائی حکومتوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اور ان کے خلاف کئی بار جنگیں لڑ چکے تھے۔ کمیونسٹ پارٹی کی قیادت میں ان کی تنظیمیں اور مضبوط ہوگئیں، اور انہوں نے کومنتانگ کی حکومت کے خلاف ہر جگہ بغاوت کا علم اٹھالیا۔

کمیونسٹ پارٹی میں شروع ہی سے دو لائنوں کے درمیان کشمکش ہو رہی تھی۔ اس دوران پارٹی کا ایک ممتاز رہنما چھن توشیو، جو اس کے بانی اراکین میں سے تھا، مسلسل اطاعت لپندانہ راہ عمل کی پیروی کر رہا تھا۔ وہ کومنتانگ کو حد سے زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ اسے اپنی اصلاح کرنے کا موقعہ دیا گیا، لیکن وہ اپنے غلط موقف سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھا۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء میں اسے پارٹی سے نکال دیا گیا۔ نومبر ۱۹۳۱ء میں ژوئی چن کے مقام پر مزدوروں اور کسانوں کی مرکزی جمہوری حکومت کا قیام عمل میں آیا، اور صدر ماؤ کو مرکزی جمہوری حکومت کا صدر منتخب کیا گیا۔

خانہ جنگی کی ناکامی کے بعد صدر ماؤ چنگ کانگ پہاڑ میں چلے گئے جہاں سرخ اقتدار کا پہلا اڈہ قائم کیا گیا۔ چنگ کانگ میں کمیونسٹوں نے زرعی اصلاحات کیں اور زمینیں کسانوں میں تقسیم کردیں۔ سرخ افواج کے سپاہی کسانوں کے ساتھ مل کر کاشتکاری کرتے تھے، اور انہیں سیاسی تعلیم دیتے تھے۔ کومنتانگ کی فوجوں نے سرخ افواج کے اس اڈے کو تباہ کرنے کے لئے کئی بار یلغار کی، لیکن انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ انہوں نے ان پہاڑوں کے گرد ناکہ بندی کردی اور سرخ فوج کے سپاہیوں کے لئے روزمرہ استعمال کی اشیاء کا حصول بھی محال ہوگیا۔ نمک سونے کی طرح قیمتی تھا۔ غذا میں نمک کی کمی کی وجہ سے وہ نئی نئی بیماریوں میں مبتلا ہونے لگے۔ انہیں ایک طویل عرصے تک جنگلی سبزیوں اور گھاس پھوس پر گذارہ کرنا پڑا۔ ۳۴ء میں کومنتانگ نے اپنا محاصرہ اور تنگ کردیا، اور اپنی افواج کی تعداد میں بھی اضافہ کردیا۔

ان حالات میں صدر ماؤ نے پارٹی کے سامنے لانگ مارچ کا منصوبہ پیش کیا۔ بعض لوگوں نے اس اقدام کی سختی سے مخالفت کی۔ ان کے خیالات میں یہ غیر فعال رویہ تھا۔ صدر ماؤ نے اسے اسٹرٹیجک پسپائی قرار دیا، اور لڑائیوں کے دوران لچک پذیری کے اصول کے تحت اس مارچ کی اہمیت واضح کی۔ چنانچہ اکتوبر ۳۴ء میں سرخ فوج نے لانگ مارچ کا آغاز کیا اور پورے دو سال بعد، اکتوبر ۳۶ء میں شمالی شینسی پہنچ گئیں۔ لانگ مارچ کے دوران چیانگ کائی شیک کی افواج نے سرخ افواج کو کچلنے کے لئے محاصرے اور سرکوبی کی پانچ مہمیں بھیجیں لیکن سرخ افواج دلیری کے ساتھ پیش قدمی کرتی رہیں۔ لانگ مارچ کے دوران مشہور زمانہ زون ای اجلاس منعقد ہوا، جس میں صدر ماؤ کو کمیونسٹ پارٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ چانگ کوتھاؤ لانگ مارچ کے خلاف تھا، اس لئے وہ لانگ مارچ کے دوران ہی اپنی زیر کمان افواج کو لے کر واپس لوٹ گیا۔

۳۵ء میں، لانگ مارچ کے دوران "وایاپاؤ" میں کمیونسٹ پارٹی کا ایک اجلاس ہوا، جس میں جاپانی جارحین کے خلاف قومی متحدہ محاذ کی پالیسی منظور کی گئی، اور دربندیت کے رجحان کی مخالفت کی گئی۔ اسی دوران صدر ماؤ نے "جاپانی سامراج کے خلاف تدابیر" کے عنوان سے ایک رپورٹ لکھی جو منتخبات ماؤزے تنگ میں شامل ہے۔ گیارہ صوبوں سے گذرنے کے بعد سرخ افواج صدر ماؤ کی سرکردگی میں شمالی شینسی پہنچ گئیں۔ یہاں کومنتانگ کی افواج نے انہیں روکنے کے لئے اپنی پوری قوت جھونک دی یہاں تک کہ خود چیانگ کائی شیک بنفس نفیس ینان پہنچ گیا۔ لیکن کومنتانگ کو ہر محاذ پر شکست ہوئی اور بالآخر ینان پر سرخ افواج کا قبضہ ہوگیا۔

۳۷ء میں پارٹی نے اپنے کارکنوں کے لئے وقت

صدر ماؤ نے اپنے ۱۵۸ مضامین میں سے ۱۱۲ مضامین شمالی شینسی میں لکھے

کے تین اہم فرائض، اندرونی امن کا استحکام، جمہوریت کے لئے جدوجہد اور جنگ مزاحمت، کا تعین کیا اور ان کی تکمیل کے لئے عملی اقدامات کئے۔ ۱۳ رجولائی ۳۶ء کو صدر ماؤ نے اپنے ایک مضمون میں عوام سے اپیل کی کہ وہ پی پھنگ اور شمالی چین کو جاپانی جارحین سے بچانے کے لئے میدان میں آجائیں۔ ۳۷ء کے اوائل میں کومنتانگ اور کمیونسٹوں کے درمیان قومی متحدہ محاذ قائم ہوگیا۔ کمیونسٹ پارٹی نے خیر سگالی کا اظہار کرنے کے لئے اگست ۳۷ء میں آٹھویں روٹ فوج کا اور اکتوبر ۳۷ء میں نئی چوتھی فوج کا نام تبدیل کردیا۔ اسی سال صدر ماؤ نے اپنا مشہور مضمون "طویل جنگ کے بارے میں" لکھا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ جاپانی جارحین کے خلاف جنگ ایک طویل جنگ ہوگی۔ اس مضمون میں انہوں نے بڑی بصیرت کے ساتھ اس جنگ کی حکمت عملی وضع کی۔

اس وقت کمیونسٹ پارٹی کے بعض ارکان میں یہ رجحان پیدا ہوگیا تھا کہ "ہر کام متحدہ محاذ کے توسط سے" ہونا چاہیئے، لیکن صدر ماؤ اور پارٹی

کمیونسٹوں کی ۱۲ لاکھ فوج نے کومنتانگ کی ۴۳ لاکھ فوج کو عبرت ناک شکست دی

کے دوسرے ممتاز اراکین نے شدت سے اس رجحان کی مخالفت کی، اور یہ کہا کہ ہمیں متحدہ محاذ میں رہتے ہوئے اپنی خود مختاری اور پیش قدمی کو برقرار رکھنا چاہیئے۔ وانگ منگ اس نظریئے کا سب سے بڑا حامی تھا، وہ کومنتانگ کی طرف جھکاؤ رکھتا تھا۔ بعد میں اُسے بھی پارٹی سے نکال دیا گیا۔ ۳۸ء کے موسم بہار میں چانگ کو تھاؤ کومنتانگ کی گود میں چلا گیا، اس لئے اپریل ۳۸ء میں مرکزی کمیٹی نے اسے پارٹی سے نکال دیا۔

شمالی شینسی پہنچنے کے بعد سرخ افواج کو اپنی قوت بڑھانے کا موقع ملا۔ ۱۹۴۰ء تک پورے ملک میں چوبیس علاقوں میں سرخ فوج کے اڈے قائم ہوگئے تھے، جن کی مجموعی آبادی تقریباً دس کروڑ تھی۔ آٹھویں روٹ فوج کے سپاہیوں کی تعداد تیس ہزار سے بڑھ کر پانچ لاکھ تک پہنچ گئی۔ اسی طرح جاپان کے خلاف جنگ مزاحمت کے آغاز میں کمیونسٹ پارٹی کے اراکین کی تعداد چالیس ہزار تھی، جو بڑھ کر آٹھ لاکھ تک پہنچ گئی۔

جاپان کے خلاف جنگ مزاحمت شروع ہوئی تو کمیونسٹوں نے اپنی پوری قوت سے ان کا مقابلہ کیا لیکن چیانگ کائی شیک اپنی دوغلی پالیسی پر عمل کرتا رہا ایک طرف تو وہ جاپانی حکومت سے تصفیہ کرنے کے لئے تگ و دو کرتا رہا اور دوسری طرف کمیونسٹوں کو کچلنے کے لئے ہر ممکن اقدام کرتا رہا۔ اس دو طرفہ یلغار کے باعث سرخ اڈے گھٹنے لگے، اور سرخ اقتدار کا دائرہ صرف پانچ کروڑ کی آبادی تک محدود ہوگیا۔ لیکن کمیونسٹوں نے حوصلے نہیں ہارے۔ وہ مستقل مزاجی سے گوریلا جنگ کے ذریعے ہر جگہ جاپانیوں کو ہراساں کرتے رہے۔ صدر ماؤ اور مرکزی کمیٹی کے دوسرے ارکان ینان میں بیٹھے ہوئے پورے ملک کے محاذوں کی کمان کرتے رہے۔ سرخ فوج کے سپاہی ایک طرف تو جاپانیوں کا مقابلہ کرتے تھے اور دوسری طرف کسانوں کے ساتھ مل کر کاشت کاری کرتے تھے۔ معاشی مشکلات میں اضافہ ہوگیا تھا، خاص طور پر ۴۱ء سے ۴۲ء تک لباس اور غذا کا کال رہا۔ لیکن سرخ فوج کے سپاہیوں نے بڑھ چڑھ کر پیداواری مہم میں حصہ لیا اور وہ اپنی ضروریات کی چیزیں خود فراہم کرتے رہے۔ خود صدر ماؤ اور کمیونسٹ پارٹی کے دوسرے ممتاز اراکین بھی جسمانی محنت میں حصہ لیتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد پیداوار میں اس قدر اضافہ ہوگیا کہ وہ نمک، اون اور دوائیں ملک کے دوسرے علاقوں کو بھیجنے کے قابل ہوگئے۔ ینان میں شنہوا نیوز ایجنسی اور ریڈیو اسٹیشن بھی قائم کردیا گیا۔ کمیونسٹ پارٹی نے ینان میں تقریباً بائیس اسکول اور کالج کھولے، جن میں ملٹری کالج، قومیتوں کا کالج اور "لوہسون ادب و فن کالج" زیادہ مشہور تھے۔ صدر ماؤ خود ان کالجوں میں جاکر لیکچر دیا کرتے تھے اور ان کی درسی کتب کی اصلاح کیا کرتے تھے۔

اگست ۴۵ء میں سوویت یونین نے جاپان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ جاپان نے اتحادی فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اگست ۴۵ء میں صدر ماؤ ینان سے چھونگ چھنگ CHUNG KING گئے۔ یہ مذاکرات ۴۳ دن تک جاری رہے اور ان کے نتیجے میں دس اکتوبر کا معاہدہ معرض وجود میں آیا۔ ۴۷ء میں کمیونسٹ پارٹی نے اصلاح اراضی کے لئے نیا حکم جاری کیا، اور تخفیف لگان کی بجائے زمینوں کی ضبطی کی پالیسی پر عمل شروع کردیا۔

کومنتانگ اور کمیونسٹ پارٹی کے درمیان اکتوبر کا معاہدہ ہونے کے باوجود، چیانگ کائی شیک کمیونسٹوں کا خاتمہ کرنے کے لئے نئے نئے ہتھکنڈے استعمال کرتا رہا۔ اور حالات اس حد تک پہنچ گئے کہ جنگ ناگزیر ہوگئی۔ صدر ماؤ اپنی افواج کے ساتھ ۲۳ مارچ ۴۸ء کو ینان سے رخصت ہوئے اور دریائے زرد کو عبور کرکے شمالی چین میں داخل ہوگئے۔ ۱۹۴۹ء میں آٹھ ماہ کی لڑائی کے دوران کمیونسٹوں کی ۱۲ لاکھ فوجوں نے کومنتانگ کی ۴۳ لاکھ افواج کو عبرت ناک شکست دی اور اس کے سات لاکھ سپاہیوں کا صفایا کردیا۔ چیانگ کائی شیک بھاگ کر تائیوان چلا گیا، جہاں وہ اب اپنی موت کی گھڑیاں گن رہا ہے۔

صدر ماؤ نے اپنے ۱۵۸ مضامین میں سے ۱۱۲ مضامین شمالی شینسی میں قیام کے دوران لکھے، جن میں سے ۹۲ مضامین ینان میں لکھے گئے۔

اس طرح یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ شمالی شینسی میں قیام کے ۱۳ سال (جن میں سے دس سال ینان میں گذرے) کتنی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چینی ینان کو "انقلاب کا مقدس شہر" کہا جاتا ہے۔ صدر ماؤ نے طلباء کے گروپ کو مخاطب کرکے ہوئے کہا تھا "چین کے انقلاب نے شمالی شینسی کے غاروں سے جنم لیا ہے۔"

افسانہ

احمد رئیس

عذاب

کل کیا ہوگا؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس کے جواب کا سنہری سورج گھنے تاریک بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ کہیں سے کچھ ایڈوانس مل جائے۔ کچھ پیسے ہاتھ لگ جائیں مگر سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ بڑے صاحب نے کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ ایک دن کی بات نہیں، روز کا مسئلہ ہے، اگر ایڈوانس دیا گیا تو پھر اس ماہ کی تنخواہ نہیں ملے گی تو آئندہ ماہ کیسے گزر ہوگا۔ پھر یہی نوبت آئے گی کہ لا بابا، دے بابا۔ کاش انہوں نے کبھی میرے دل میں جھانک کر دیکھا ہوتا اور معاملے کی سنگین نوعیت کو سمجھا ہوتا۔ مگر وہ بڑا صاحب تھا۔ بڑے لوگوں کے بارے میں سوچتا تھا۔ چھوٹے اور معمولی لوگوں سے اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اپنے احباب سے کچھ کہنے کا یوں حوصلہ نہ ہوا کہ یہ لوگ کیا سوچیں گے کہ بڑا بابو کتنا چھوٹا اور گھٹیا نکلا یعنی

ع ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

لوگ اپنی شخصیت، لباس اور وضع قطع کے لحاظ سے پہچانے جاتے ہیں مگر کوئی ان کے اندر کے انسان کو نہیں دیکھتا کہ وہ کیسا ہے؟ زندہ ہے کہ مر گیا۔

دفتر سے ناامید ہو کر نکلا تو بس میں بے پناہ ہجوم تھا۔ پسینے کی بدبو، میلے کپڑوں کی سڑاند، تھکے ماندے لوگ سہمے سہمے اکتائے ہوئے چہرے، یاسیت کی تصویر، مُردہ روحیں، زندہ لاشیں اس اکتا دینے والے بیزار کُن ماحول میں میری آنکھوں کے سامنے دھندلا سا روشنی کا ایک سراپا تھا۔ سعیدہ کا معصوم چہرہ بار بار میرے سامنے آجاتا تھا۔ وہ گھر پر میری منتظر ہوگی اور بڑی پُرامید کہ آج میں اپنے وعدے کو ضرور پورا کروں گا۔ اس نے اپنی سہیلی سے جو قرض لیا ہے اُس کی ادائیگی ہو جائے گی۔ راشد کو ڈاکٹر کو دکھانا ہے۔ رانی کی فیس اگر جمع نہیں ہوئی تو اسے کالج سے نکال دیا جائے گا اور پھر اس کا ایک سال ضائع ہو جائے گا۔ دُودھ والے کا حساب کرنا ہے۔ اخبار والے کو پیسے دینے ہیں۔ دھوبی کا بھی کچھ بقایا ہے اور مالک مکان بھی تنگ کر رہا ہے۔ تھوڑا تھوڑا سب کو ادا کر کے کچھ ذہنی اطمینان تو حاصل ہوگا۔ تنخواہ تو آتی ہے اور اس طرح چٹ پٹ ہو جاتی ہے کہ جیسے ملی ہی نہیں۔ سعیدہ بھی کتنی نادان ہے کہ یوں آس لگائے بیٹھی ہے۔ جیسے مجھے ایڈوانس نہیں بلکہ کوئی خزانہ ملنے والا ہے۔ اُس بدنصیب کو کیا معلوم کہ ابھی ایسی کتنی ہی کڑی منزلوں سے گذرنا ہوگا۔

تھکا ماندہ گھر پہنچا تو ایک ایک پیر من من بھر کا ہو رہا تھا۔ گھر والوں کا سامنا کرتے ہوئے گھبرا رہا تھا کہ انہیں کیا جواب دوں گا۔ یہ لوگ کتنے اُداس ہوں گے جب انہیں معلوم ہوگا کہ میں آج بھی تہی دست و تہی داماں لوٹ آیا ہوں۔

گھر میں داخل ہوتے ہی سعیدہ کی نظر مجھ پر پڑی تو اس کا چہرہ کھل اٹھا، وہ آج بہت ہی مطمئن تھا کہ آج میں ضرور کامیابی کیساتھ گھر لوٹوں گا۔ معلوم نہیں یہ یقین و اعتماد اُس میں کیسے پیدا ہو گیا تھا، شاید یہ جذبۂ خلوص و اعتماد ہر عورت کی فطرت کا خاصا ہے۔

میں سخت الجھن میں تھا کہ اُس سے کس طرح کہوں کہ بتو! یوں خواب نہ دیکھا کرو۔ میں تمہارے خوابوں کو پیار کرتا ہوں مگر تمہارے خوابوں کی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ اور میں ہی کیا مجھ جیسے کتنے ہی بابو لوگ اپنی آنکھوں میں کتنے ہی شہر تمنا آباد کئے سو جاتے ہیں۔ کوئی انہیں دلاسہ بھی نہیں دیتا ہمدردی کے دو بول بھی نہیں بولتا وہ تو شمع کی طرح زندگی بھر جلتے ہیں۔ اور پھر اپنی ہی آگ میں چپ چاپ جل کر بھسم ہو جاتے ہیں۔ وہ سوتے جاگتے خواب دیکھتے ہیں اور خواب دیکھتے ہی دیکھتے موت کی اتھاہ تاریک وادی میں کھو جاتے ہیں۔ اور اپنے خوابوں کا سرمایہ اپنے ورثاء کو دے جاتے ہیں اور وہ اپنی اولاد کو۔ اس طرح خوابوں کا یہ سفر ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ ہزاروں سوال، ہزاروں مسئلے اپنی مکروہ شکل کیساتھ قدم قدم پر اس طرح سامنے آتے ہیں کہ دل بیٹھنے لگتا ہے۔ اور کبھی کبھی تو یہ دل اس طرح ٹوٹتا ہے کہ جوڑے نہیں جڑتا۔

جس بات کا خدشہ تھا وہی ہوا آج بھی دل ٹوٹ گیا، خوابوں کے پھول بکھر گئے۔ آنسوؤں کا سمندر پھوٹ پڑا، سسکیوں کی آوازیں پیار بھری موسیقی ڈوب گئی میں نے لاکھ چاہا کہ دل کی بات دل ہی میں رہے، راز افشا نہ ہو۔

لب نہ کھلے لیکن لفظوں کی خوشبو مہک اٹھی بات جو دل میں تھی۔ وہ سارے گھر میں پھیل گئی۔ آگ میرے جسم میں لگی تھی لیکن سارا گھر جل رہا تھا۔ مجرم صرف میں تھا لیکن سزا سب کو مل رہی تھی۔ یہی ایک سوال سب کو بے چین کئے ہوا تھا کہ کل کیا ہوگا؟ آج کی رات قیامت کی رات ہے اور اسی رات پہ کیا منحصر ہے۔ ہر رات قیامت کی رات ہوتی ہے۔ لیکن تنہا کوئی ایک شخص اس عذاب میں مبتلا نہیں ہے، اس کرب ناک منزل سے کتنے ہی لوگ گزر رہے ہیں۔ کتنے ہی خوابوں کے پھول بکھرے ہیں۔ کتنی ہی آنکھیں ویران ہیں۔ کتنے ہی دل چھلنی ہیں، کتنے ہی زخم مہک رہے ہیں، کتنی ہی آہیں کراہیں فضا میں اُبھر رہی ہیں، کتنے ہی گھر تاریکی میں ڈوبے ہیں، کتنے ہی ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے ہیں۔ مگر آسمان بے رحم آسمان چُپ ہے، زمین ایک نئی زرنگار صبح کی منتظر ہے۔۔۔۔ دیکھیں! سورج کب طلوع ہوتا ہے!؟

تھرپارکر کے رہنما میر محمد جونیجو سے شبّر اعظمی کی خصوصی ملاقات



زمیندار کے پالتو غنڈوں نے

بوڑھی عورت کو مار مار کر لہولہان کر دیا

میر محمد جونیجو ایک نوجوان وکیل ہیں جو تھرپارکر کے غریب عوام میں انتہائی مقبول ہیں۔ انہیں اس بات پر انتہائی فخر ہے کہ وہ ایک ہاری کے بیٹے ہیں۔ ان کی تمام تر زندگی ایک طویل جدوجہد سے عبارت ہے۔ وہ تحصیل عمرکوٹ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والدین کے پاس کوئی زمین نہیں تھی بلکہ زمینداروں کی زمین پر کام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اس وقت ہاری حقدار یا آدھی بٹائی کا کوئی تصوّر نہیں تھا۔ زمیندار جس سے خوش ہوتا اسے زیادہ دے دیا کرتا تھا۔ ورنہ جب فصل تیار ہو جاتی تو زمیندار آتا اور کھلیان میں ایک حصّہ پر نشان لگا کر ہاری سے کہتا یہ تمہارا حصّہ ہے اور ہاری اس سلسلے میں مزید کوئی مطالبہ نہیں کر سکتا تھا۔ میرے والد بھی اسی طرح زندگی گزارا کرتے تھے۔ ابھی یہ کمسن ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ کھیتی باڑی میں شریک ہونا پڑا۔ جلد ہی میرا دل اس سے اچاٹ ہو گیا۔ زمینداروں کے مظالم نہ ہی برداشت کر سکتا تھا اور نہ ہی دیکھ سکتا تھا لہٰذا میں گھر سے بھاگ نکلا اور عمرکوٹ میں ایک خیراتی اسکول میں پڑھنے لگا۔ پانچ سال بعد پرائمری پاس کرنے کے بعد جب میں گھر گیا تو اس دوران گھر والے میری طرف سے قطعی مایوس ہو چکے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ میں مر کھپ چکا ہوں مجھے دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی اور یہ جان کر خوش بھی ہوئے کہ میں نے کچھ پڑھ بھی لیا ہے۔ عام طور پر دیہات کے لوگ چونکہ اَن پڑھ اور جاہل ہوتے ہیں لہٰذا وہ لوگ پڑھے لکھے لوگوں کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ اسی دوران جب فصل تیار ہوئی تو ایک دن زمیندار آیا۔ کھلیان پر میری والدہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ زمیندار فصل اٹھانا چاہتا تھا۔ والدہ نے مزاحمت کی اور کہا کہ جب تک میرے بیٹے نہیں آجاتے تم فصل نہیں لے جا سکتے۔ زمیندار کو میری والدہ کی یہ جرأت بڑی ناگوار گزری۔ اس نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ اس کو ایسا سبق دو کہ یہ ساری شرارت بھول جائے۔ زمیندار کے ملازموں نے مار مار کر میری والدہ کو لہولہان کر دیا، اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور وہ لوگ فصل اٹھا کر چلتے بنے۔ والدہ کی یہ حالت دیکھ کر میں نے اپنی مزید پڑھائی اور شہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا لیکن ابھی تین سال بھی نہ گزرے تھے کہ میں پھر گھر سے بھاگ نکلا اور مزید پڑھائی شروع کر دی، تین کلاسیں اور پڑھیں۔ اس زمانے میں ڈسٹرکٹ کمیٹی کا صدر ایک انتہائی ظالم زمیندار تھا یہ جان کر بہت خفا ہوا کہ ایک ہاری کا بیٹا تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ وہ اسکول کے ماسٹروں پر بہت برافروختہ ہوا۔ اور کہا کہ ہاری کا کام پڑھنا نہیں صِرف خدمت کرنا ہے۔ یہ لوگ پڑھ لکھ کر بدتمیز ہو جاتے ہیں اور فساد کو جنم دیتے ہیں۔ اس نے حکم دیا کہ آئندہ سال اس ہاری کے بچے کو سکول میں داخلہ مت دو ——— اور پھر یہی ہوا کہ میرا نام سکول سے کاٹ دیا گیا۔ میں وہاں سے خیرپور آ گیا۔ اس وقت خیرپور ایک علیحدہ ریاست تھی۔ یہاں میں نے محنت مزدوری شروع کر دی اور اپنی تعلیم بھی جاری رکھی میٹرک پاس کرنے کے بعد میں پھر گھر واپس آ گیا۔ اس دوران میری والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کا مجھے سخت صدمہ ہوا۔ میں نے پھر میرپور خاص میں ملازمت کر لی اور ساتھ ساتھ پڑھنے بھی لگا اور اس طرح سخت جدوجہد کر کے اپنی تعلیم مکمل کی۔

جونیجو صاحب نے بتایا کہ میں نے زندگی کی صد... اور سوشلزم کی تعلیم ضخیم کتابوں سے حاصل نہیں کی بلکہ آلام سے بھرپور زندگی نے سوچ کی یہ نہج بخشی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ تھرپارکر سندھ کا انتہائی پسماندہ ضلع ہے۔ اس کا بیشتر علاقہ ریگستانی ہے جو عموماً قحط زدہ رہتا ہے۔ یہاں کے زیادہ تر علاقوں میں اگر آپ لوگوں سے پوچھیں کہ تم نے غسل کب کیا تھا؟ تو وہ کہیں گے جب برسات ہوئی تھی۔ مٹھی، چھاچھرو، ننگرپارکر، ڈیپلو اور عمرکوٹ کا آدھا حصہ تھری علاقہ ہے۔ یہ عموماً قحط زدہ رہتا ہے رسل و رسائل کا کوئی سلسلہ نہیں۔ نوکوٹ سے ننگرپار صرف ساٹھ میل ہے مگر وہاں پہنچنے میں دو دن لگ جاتے ہیں اسی طرح کنری سے چھاچھرو ۳۵ میل ہے لیکن وہاں جانے میں آٹھ گھنٹے لگتے ہیں، وہ بھی اس طرح کہ کھلے ٹرک میں بھیڑ بکریوں کی طرح انسانوں کو بھر لیا جاتا ہے مٹھی اور چھاچھرو میں آپ کو بڑی بڑی ریت کی پہاڑیاں ملیں گی تو ننگرپارکر میں دلدلی میدان! وہاں کے لوگوں کا ذریعہ معاش بہت محدود ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو اس سے کچھ فصل ہو جاتی ہے۔ بیشتر لوگوں کا ذریعہ معاش مویشی پالنا ہے۔ جب قحط پڑتا ہے تو لوگ نقلِ مکانی کر کے دوسرے علاقوں میں آ جاتے ہیں۔ اموات بھی بہت ہوتی ہیں۔ حالانکہ اگر حکومت اس طرف توجہ دے تو ان کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ ان علاقوں میں نہایت خوبصورت پتھر نکلتا ہے۔ حکومت اگر اس طرف کوئی توجہ دے تو اس علاقے کے لوگوں کو روزگار بھی مہیا ہو جائے گا۔

انہوں نے بتایا کہ تھرپارکر کا علاقہ تمام سندھ میں "ناڑہ کے زمینداروں" کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس سے مراد "انتہائی ظالم زمیندار" کے ہوتے ہیں۔ ناڑہ ایک قسم کی قدرتی نہر ہوتی ہے جو خود بخود نکلتی ہے اور اس علاقے کے زمیندار "ناڑہ کے زمیندار" کہلاتے تھے جو اپنی درندگی اور سفاکی کی وجہ سے ناڑہ کے زمیندار مشہور تھے۔ آج بھی یہی صورتِ حال ہے۔ زمیندار ہاریوں پر نت نئے مظالم کر رہا ہے۔ ان کی بے دخلیاں بڑی تعداد میں ہو رہی ہیں۔ یہاں پیپلز پارٹی کی کامیابی کا سبب بھی یہی تھا کہ یہاں کے ہاری ان مظالم سے نجات چاہتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے بھرپور طریقے سے پیپلز پارٹی کی حمایت کی۔ زمیندار پیپلز پارٹی کے سخت مخالف تھے اور جو ہاری پیپلز

پارٹی میں شامل ہوتا تھا اس پر بڑے بڑے مظالم توڑتے تھے ہم لوگ پیپلز پارٹی کا جھنڈا درختوں پر لگا دیا کرتے تھے۔ لیکن ان تمام مظالم اور سختیوں کے باوجود غریب عوام نے پیپلز پارٹی کا ساتھ دیا۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ زمیندار اس کے مخالف ہیں لہٰذا، منطقی طور پر یہ نتیجہ نکالا کہ یہ اچھی پارٹی ہے۔ غریب عوام نے اس پارٹی سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کر لی تھیں کہ یہ پارٹی برسر اقتدار آجائے گی تو ہمارے دن بدل جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ پیپلز پارٹی وہ پہلی پارٹی تھی جو سندھ کی تمام تر تاریخ میں بڑی منظم طریقے سے ابھری اور عوام کے دلوں میں گھر کر گئی۔ اور جب کسی مخالف پارٹی کے رہنما ان علاقوں میں آئے تو غریب ہاری ان سے اس امر کا اظہار کرتے کہ "تم یہاں اپنا وقت ضائع نہ کرو، ہم پیپلز پارٹی کے ساتھ ہیں" تمام راستوں پر پیپلز پارٹی کے جھنڈے لگا دیتے تھے۔

لیکن اقتدار میں آنے کے بعد صورت حال مختلف ہو گئی ہے۔ پیپلز پارٹی غریب ہاریوں کے گھروں کھیتوں کھلیانوں سے سمٹ کر زمینداروں کے اطاق تک محدود ہوتی جا رہی ہے۔ آج غریب کارکن کسی گنتی میں بھی شمار نہیں کیے جاتے۔ زمینداروں نے بڑی تعداد میں ہاریوں کی بے دخلیاں شروع کر دی ہیں۔ ان غریب ہاریوں کے مویشی چوری کر دیئے جاتے ہیں۔ پڑھے لکھے غریب نوجوانوں پر جھوٹے مقدمے قائم کیے جاتے ہیں۔ غریب لوگوں کو اس سے بڑی مایوسی ہوئی ہے

ایک واقعہ بتاتے ہوئے جونیجو صاحب نے کہا کہ ایک ہاری کو ایک اے ایس آئی نے بہت تنگ کیا۔ وہ میرے پاس آیا۔ میں اس کو لے کر ایس پی کے پاس گیا۔ وہاں اس علاقے کا ڈی ایس پی ولی محمد عالمانی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مجھے اس ہاری کے ساتھ دیکھ کر کہا "تم یہ کیا چکر چلاتے رہتے ہو۔ مجھے نہیں جانتے، میں اسی لیے یہاں آیا ہوا ہوں کہ تم جیسے لوگوں کے دماغ ٹھیک کروں" اس نے میرے ساتھ بڑی بدتمیزی سے باتیں کیں اور کہا "وہ دن بھول جاؤ جب تم تقریریں کر کے افسروں کو ڈرایا دھمکایا کرتے تھے"، میں نے بھی اسے منہ توڑ جواب دیا اور کہا کہ تم بھی مجھ سے واقف نہیں، میں ایک سیاسی کارکن ہوں کوئی زمیندار نہیں جسے تم سے مراعات چاہئیں، تم مجھے مرعوب نہیں کر سکتے۔ ہم یحییٰ خان اور ایوب خان کے تاریک عہد میں بھی تم لوگوں کو کسی خاطر میں نہیں لائے تو اب کیا سمجھتے ہیں، اس کے بعد اس کی انتہائی کوشش یہی ہے کہ مجھ پر کوئی جھوٹا کیس بنا کر مجھے تنگ کیا جائے۔ میں نے تو یہ صرف ضمناً ایک ذکر کیا ہے ورنہ عام طور پر یہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ نوکر شاہی اور زمینداروں کا بڑا گہرا گٹھ جوڑ ہے۔ پولیس اور دیگر سرکاری حکام زمینداروں کے آلۂ کار کے طور پر کام کرتے ہیں اور ان کی شہ پر غریب ہاریوں اور مزدوروں پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑتے رہتے ہیں۔ ہاریوں پر جھوٹے الزامات لگا کر بند کر دینا اور مار پیٹ تو بڑی معمولی بات ہے اور ان معمولات میں قطعاً کوئی فرق نہیں آیا ہے بلکہ ان میں کچھ اضافہ ہی ہوا ہے۔ کیونکہ پیپلز پارٹی بھی اب پہلے جیسی فعال تنظیم نہیں رہی۔ ان حالات سے روز بروز پرانے کارکن بددل ہوتے جا رہے ہیں وہی زمیندار جو کل تک پارٹی کی مخالفت کیا کرتے تھے اور پیپلز پارٹی کی حمایت کرنے والوں پر ظلم کے پہاڑ توڑا کرتے تھے، آج بڑی تعداد میں پارٹی میں شامل ہو چکے ہیں اور پارٹی میں ان کا اثر و رسوخ بڑھتا جا رہا ہے بلکہ اس مرتبہ کنونشن میں پارٹی جانے کے لیے جن مندوبین کا انتخاب ہوا ہے ان میں بھی ان لوگوں کی اکثریت ہے۔ پرانے کارکنوں کو قطعی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ خود جونیجو صاحب جو کہ ضلعی تنظیم کے نائب صدر ہیں اور قید و بند کی صعوبتیں سہی ہیں لیکن مندوبین میں شامل نہیں کیے گئے۔ لہٰذا پیپلز پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد یہ وڈیرے اپنی روش کیا تبدیل کرتے خود پارٹی کے مزاج کو بدلوا لیا ہے

لیکن اس کے باوجود آج کا ہاری کل کے ہاری سے بہت مختلف ہے۔ اب وہ وقت نہیں رہا جب کہ تمام تر ظلم و جبر کے باوجود لوگ خاموش رہا کرتے تھے آج ہاریوں کا طبقاتی شعور بہت بڑھ چکا ہے۔ انہوں نے برملا اس امر کا اظہار کیا ہے کہ وہ سماج میں تبدیلی چاہتے ہیں، معاشی انصاف پر مبنی ایک معاشرہ کا قیام چاہتے ہیں پیپلز پارٹی کی حمایت ان کی اسی خواہش کا اظہار تھا۔ اگر پیپلز پارٹی ان کی توقعات پر پوری نہ اتر سکی تو یہ خاموش نہیں بیٹھیں گے بلکہ اس سلسلے میں عملی اقدامات کریں گے۔

جونیجو صاحب سے آخری سوال اس علاقے کے مزدوروں کے مسائل کے سلسلے میں تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ مزدور طبقہ انقلاب کا ہراول دستہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف خود اپنے آپ کو منظم کرتا ہے بلکہ دوسرے مظلوم طبقات کو متحد ہونے اور جدوجہد کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اندرون سندھ میں بھی اندر طرز کا اضافہ ہو رہا ہے اس سے ہمیں بڑی توقعات ہیں کہ یہاں کے مزدور جدوجہد کے ذریعے ہاریوں کی تربیت کریں گے اور چونکہ ان کا تعلق بھی اسی طبقے سے ہو گا بلکہ اکثریت ان مزدوروں کی ہو گی جو دیہاتوں میں روزگار کے ذرائع محدود ہونے کے سبب نقل مکانی کر کے شہروں میں آجایا کریں گے۔ اس سے مزدوروں اور ہاریوں کا اتحاد مضبوط و مستحکم ہو گا۔ یہ اتحاد ان کے سیاسی شعور کو بھی جلا بخشے گا۔ اسی لیے جب ون یونٹ ختم ہو رہا تھا تو سندھ کے رجعت پسند جاگیرداروں نے کراچی کو سندھ سے علیحدہ رکھنے اور کراچی کے سرمایہ داروں نے کراچی کو علیحدہ صوبہ بنانے کا مطالبہ کیا تھا کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اگر کراچی سندھ میں شامل رہا تو مزدوروں، کسانوں اور دانشوروں کی یکجہتی ان کے گلے کا پھندا بن جائے گی۔ ہم نے اس وقت اسی لیے سرمایہ داروں، جاگیرداروں، نوکر شاہی اور ان کے پالتو کتوں کی پر زور مذمت کی تھی۔ ان کی یہ سازش تو کامیاب نہ ہو سکی لیکن وہ دوسرے طریقوں سے اپنی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ یہاں کے مزدور دوہرے استحصال کا شکار ہیں۔ کارخانوں میں ان کی بھرتی براہ راست نہیں ہوتی بلکہ ٹھیکیداری سسٹم نافذ ہے۔ ٹھیکیداروں کے ذریعے مزدور لیے جاتے ہیں۔ ایک تو معاوضہ ان کو ویسے ہی کم ملتا ہے دوسرے ٹھیکیدار اس میں سے بھی کٹوتی کر کے اور کم کر دیتا ہے۔ اور مزدور دوسری مراعات سے بھی محروم رہتے ہیں اور نہ ہی بہتر طریقے سے اپنی تنظیم کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی انتہائی کوشش یہ بھی ہوتی ہے کہ مقامی ہاریوں کو کم سے کم تعداد میں لیا جائے۔ کیونکہ ان کو یہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ یہ مزدور دیہاتوں میں جا کر ہاریوں میں کہیں ذہنی انقلاب نہ برپا کر دیں۔ پھر آپس میں بھی ان کی مختلف طریقوں سے یہی کوشش رہتی ہے کہ مزدور آپس میں متحد نہ ہو سکیں۔ انہیں بہت کم اجرتیں دی جاتی ہیں اور دوسری مراعات سے بھی محروم ہیں۔

آخر میں انہوں نے کہا کہ ایک طویل جدوجہد نے عوام کا حوصلہ بہت بلند کر دیا ہے اور ان کے سیاسی شعور میں بھی بہت اضافہ ہوا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب محنت کش عوام، طلباء، مزدور، کسان اور دانشور اپنے اتحاد کو مضبوط کر کے اپنی صفیں منظم کر لیں گے اور ظلم اور ناانصافی پر مبنی استحصالی نظام کو شکست دے کر ایک انصاف پر مبنی عوامی جمہوری نظام قائم کریں گے۔

جدوجہد آزادی کے کشمیری مجرم

یہ مضمون کشمیری رہنما میر عبدالقیوم کی صاحبزادی زاہ

محبِ وطنوں کو غدّار کہنے والا۔ غدّار ثابت ہُوا

زاہدہ میر

عدالتی فیصلہ کے بغیر کسی بھی شخص کو غدار کہنا ایک ایسا اخلاقی جرم ہے کہ جس کی تلافی ممکن ہی نہیں۔ قدرت کا انتقام بھی کس قدر شدید ہوتا ہے کہ میرے والد اور چچا اور ان کے ساتھیوں کو وطن دشمن سازش کے تحت غداروں کی صف میں کھڑا کرنے والے جنرل عمر اور یحییٰ خان جیسے نشۂ اقتدار میں مدہوش آمر آج خود بھی اسی کشتی میں سوار ہیں جس روز گنگا ہائی جیکنگ کیس" عدالت میں پیش ہو رہا تھا۔ عین اسی روز یحییٰ خان اقتدار جناب بھٹو کو سپرد کر رہا تھا اور پھر پاکستان کے عوام نے یہ بھی دیکھ لیا کہ محب وطن افراد پر غداری کا لیبل لگانے والے یحییٰ خان کی پیشانی پر غاصب اور غداری کا بدنما داغ چمک رہا ہے۔

یہ درست ہے کہ میرے والد، میرے چچا اور ان کے عظیم المرتبت ساتھیوں کو ان کی خدمات کے عوض اعزازات حاصل نہیں ہوئے لیکن اس کے باوجود ان میں سے ایک ایک شخص ایسا محبِ وطن اور مردِ مجاہد ہے جو پاکستان، قائدِ اعظم اور محکوم و مجبور کشمیر کی عزت کو چار چاند لگانے کا جذبہ اور بے پناہ اہلیت رکھتا ہے۔ وہ گوشۂ گمنامی میں رہ کر بھی اسلام پاکستان اور کشمیر کی خدمت کو ترجیح دینے اور سستی شہرت سے پرہیز کرنے والے ایسے درویش صفت مومن ہیں جن کی خاموش خدمات پر یہ ہزاروں عارضی اعزازات تو کیا آسمان کی بلندیوں پر فضائے بسیط میں چمکنے والے کروڑوں ستارے بھی نچھاور کیے جائیں تو کم ہیں۔

ان میں سے بعض ایسے بھی محبِ وطن شامل ہیں جن کی کشمیر اور پاکستان کے سلسلے میں چالیس چالیس سال سے بھی زیادہ خدمات ہیں۔ یہ لوگ اگر چاہتے تو پریس سے اپنے ذاتی اور کاروباری تعلقات کی بنا پر اخبارات میں آئے دن ذاتی نام و نمود کے رسیا لیڈروں کی طرح اپنی تصویریں اور خبریں چھپوا سکتے تھے لیکن انہوں نے گوشۂ گمنامی ہی کو اپنا شعار بنایا اور اسی کو افضل جانا اور سستی شہرت کے خیال کو نہ صرف قریب نہ آنے دیا بلکہ اس سے ہمیشہ نفرت بھی کی۔

ماضی کے مندرجہ ذیل واقعات میں اپنے والد کے اس عدالتی بیان سے اخذ کر کے رقم کر رہی ہوں جو انہوں نے حال ہی میں اپنی صفائی میں اسپیشل کورٹ میں دیا تھا۔

"یہ ۱۹۳۱ء کا دور تھا جب ریاست جموں و کشمیر میں ڈوگرہ آمریت اپنے پورے عروج پر تھی کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ ظلم کے خلاف دو لفظ بھی زبان پر لا سکے۔ ایسے میں جموں شہر میں "خطبۂ عید کی بندش" کا ایک ایسا دلخراش واقعہ پیش آ گیا جس نے مسلمانوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ ہوا یہ کہ عید کے خطبہ کے دوران ایک خود سر فرعون مزاج ڈوگرہ پولیس افسر نے خطیب کو خطبہ پڑھنے سے روک دیا لوگ پولیس افسر کی اس حرکت پر دم بخود تھے۔ مجمع خاموش اور ساکت تھا، سب لوگ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہے تھے مگر احتجاج کرنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ کہتے ہیں کہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ چنانچہ چند لمحوں کی خاموشی رنگ لائی اور نمازیوں کی صفوں میں سے ایک وجیہہ و بلند قامت النسان کی آواز گونجی ——

"انسپکٹر ہوش کے ناخن لو، تم ہمارے دین میں مداخلت کر رہے ہو۔ مسلمان ہر ظلم اور زیادتی برداشت کر سکتا ہے مگر مذہب میں مداخلت کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کر سکتا۔ خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے ہٹ جاؤ ورنہ مسلمانوں کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کا رُخ اگر تمہاری طرف ہو گیا تو تمہارا پتہ نہ چلے گا"، اس نعرۂ رندانہ نے اپنا اثر دکھایا۔ لوگوں میں حرارت پیدا ہوئی ایک شور اٹھا۔ انسپکٹر مسلمانوں کے بدلتے ہوئے تیور بھانپ گیا اور فوراً وہاں سے کھسک گیا۔ خطبہ پھر جاری ہو گیا خطبہ کے دوران گونجنے والی یہ آواز جموں کے ایک نڈر باحوصلہ اور مدبر النسان میر حسین بخش (مرحوم) کی تھی۔ یہ بزرگ میر برادران کے تایا تھے۔ ریاست کے مسلمانوں کی ڈوگرہ آمریت کے خلاف یہ پہلی آواز تھی۔

جلتی پر تیل کا کام جموں میں "توہینِ قرآن پاک" کا واقعہ ہے جس نے جموں میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑا دی اور پھر یہی لہر وادیٔ کشمیر تک جا پہنچی جس کے نتیجہ میں ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے یوم شہداء نے جنم لیا۔ ڈوگرہ آمریت مسلمانوں کا احتجاج برداشت نہ کر سکی اور ان کی بندوقوں سے نکلی ہوئی گولیوں نے پچیس بے گناہ مظلوم کشمیری مسلمانوں کو چشم زدن میں بھون کر رکھ دیا جس سے ریاست بھر میں غم و غصے کا ایک لاوا اُبل پڑا اور ہر طرف ڈوگرہ ظالم حکومت کے خلاف ایک نفرت پھیل گئی۔

میر برادران بھی اپنی کم عمری کے باوجود متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور بڑوں کے ساتھ قدم بہ قدم چلنے کے لیے انہوں نے بھی بچوں کی ایک تنظیم "انجمن اطفالِ اسلام" کے نام سے قائم کی۔ اور مسلمانوں کے حقوق کے لیے اپنے بزرگوں کے ساتھ مل کر سینہ سپر ہو گئے۔ ڈوگرہ حکومت نے جب سیاسی سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کر دیں تو انہوں نے چند دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر ینگ میرث کمیٹی قائم کی اور اس کی آڑ میں اپنی سیاسی سرگرمیوں میں کوئی کمی نہ آنے دی اور نوجوانوں کو منظم کرنے کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ جب دنیا کے نقشے پر ایک نئی مملکت پاکستان کی شکل میں ابھری تو "پاکستان ڈے" منانے میں میر برادران پوری طرح پیش پیش تھے۔ اس وقت بھی "پاکستان ڈے" کے سلسلے میں "مالیات" کا شعبہ میرے والد کے پاس تھا مسلم نیشنل گارڈ کے زیرِ اہتمام یہ عظیم دن اس جوش و خروش سے منایا گیا کہ کشمیر کی تاریخ میں وہ دن ہمیشہ یاد رہے گا۔ اس رات روشنی کا ایک سمندر تھا جو پورے جموں شہر میں بہہ رہا تھا

پاکستان پہنچ کر میر برادران سے اپنے بے یار و مددگار لاکھوں مہاجر بھائیوں کی حالتِ زار نہ دیکھی گئی اور انہوں نے مہاجرین کی آبادکاری اور فلاح و بہبود کے لیے انجمن مہاجرین جموں و کشمیر کے نام سے ایک تنظیم کا قیام عمل میں لایا۔ جو شاید برصغیر پاک و ہند میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے پہلی اور منفرد تنظیم تھی۔

انجمن مہاجرین نے حکومتِ پاکستان کی توجہ بار بار

جموّں میں ظلم کے خلاف پہلی آواز- میر حسین بخش نے بلند کی

اس طرف مبذول کرائی کہ نوجوانوں کے لیے فوجی ٹریننگ سنٹرز قائم کرنے میں انجمن ہذا کی مدد کرے مگر ان کی کسی بات پر توجہ نہ دی گئی۔ کیونکہ انتظامیہ کسی بھی صورت میں ایسے حالات پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی جس سے کشمیری مسلح ہو کر اپنی جنگِ آزادی خود لڑنے کے قابل ہو سکیں۔

مجاہد اول میر حسین بخش کے پوتے اور میر برادران کے بھتیجے میر عبدالرشید نے حکومتِ پاکستان کے ایما پر مقبوضہ کشمیر میں ۱۹۴۷ء میں ایک چھاپہ مار تنظیم قائم کی تھی۔ اور کشمیر کے کئی حصوں میں سیلز (CELLS) بھی قائم کر لیے تھے۔ ان کے ساتھ پاکستانی فوج کے کرنل اکمل بھی پوری طرح پیش پیش تھے۔ اور کام بڑے منظم طریقے سے آگے بڑھ رہا تھا۔ مگر جنگ بندی کی وجہ سے گروپ کے بیشتر کارکن گرفتار کر لیے گئے۔ چنانچہ مقبوضہ کشمیر کی حکومت نے ان پر "کشمیر بم کیس" کے نام سے ایک مقدمہ قائم کیا جس میں انہیں ۱۲ سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔

موئے مبارک کی گمشدگی اور "آل پارٹیز کشمیر کمیٹی" کا قیام

۱۹۶۳ء میں درگاہ حضرت بل سے "موئے مبارک" کی چوری نے پورے جموں و کشمیر میں ایک ہیجان برپا کر دیا۔ چنانچہ میر برادران بھی تڑپ اٹھے اور انہوں نے محبِ وطن ساتھیوں کے ساتھ مل کر بھارت کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے ایک آل پارٹیز (تحفظِ حضرت بل) کشمیر کمیٹی قائم کی۔ اور موئے مبارک کی بازیابی کے لیے کراچی میں کئی ہفتوں تک مسلسل خاموش مظاہروں کا سلسلہ جاری رکھا اور بھارت کے خلاف پراپیگنڈہ مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کشمیری قوم کے احتجاج کے سامنے بھارت کی تمام چالیں دم توڑ گئیں اور آخر کار شیرِ کشمیر کو گیارہ سال کی طویل نظر بندی کے بعد رہا کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی بھارتی حکومت کو کشمیر سازش کیس واپس لینا پڑا۔

نام نہاد کشمیر سازش کیس اور میر محمد نذیر

کشمیر سازش کیس میں میر حسین بخش کے بیٹے میر محمد نذیر جو میر عبدالرشید (کشمیر بم کیس) کے والد میر برادران کے چچیرے بھائی ہیں اور جن کی عمر ۶۵ سال ہے، آٹھ سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد رہا ہو گئے۔ میر محمد نذیر پر (جو آج بھی مقبوضہ کشمیر میں بقیدِ حیات ہیں) بھارتی حکومت نے اس لیے انسانیت سوز مظالم ڈھائے کہ وہ شیرِ کشمیر اور فخرِ کشمیر مرزا افضل بیگ کے خلاف بیان دیں کہ وہ ان کے توسط سے پاکستان سے مل کر سازش کر رہے ہیں۔ مگر اس مردِ مجاہد نے روح فرسا مظالم قبول کیے۔ پیرانہ سالی میں سختیوں پہ سختیاں جھیلیں مگر شیرِ کشمیر شیخ عبداللہ اور فخرِ کشمیر مرزا افضل بیگ کے خلاف بیان دینا قبول نہ کیا۔

شیرِ کشمیر شیخ عبداللہ کا ایک خط مقبوضہ کشمیر کی جیل سے پاکستان پہنچا تھا اور یہاں سے یو این او میں پہنچایا گیا تھا جس میں انہوں نے بھارتی آمریت کا پول کھول کر رکھ دیا تھا۔ خط کے مندرجات کو سنکر اس وقت کے بھارتی وزیرِ خارجہ کرشنا مینن بھونچکا رہ گئے تھے۔ بھارتی حکومت کے مطابق یہ خط لانے والے میر حسین بخش کے ۶۵ سالہ بیٹے اور میر برادران کے چچیرے بھائی میر محمد نذیر تھے جنہیں بقول بھارتی استغاثہ خط پہنچا کر پاکستان سے واپس کشمیر آنے پر گرفتار کر لیا گیا تھا۔

کراچی میں جب تنظیم مکمل ہو چکی تو کشمیریوں کا ایک جنرل اجلاس بلایا گیا۔ جس میں متفقہ طور پر میرے والد کو محاذ رائے شماری کراچی کا کنوینر چنا گیا۔ آگے جا کر کنوینگ کمیٹی کی لگاتار کوششوں کے بعد اپریل ۱۹۶۵ء میں محاذ رائے شماری کا ایک عظیم نمائندہ کنونشن میرے چچا کی زیرِ صدارت سیالکوٹ میں منعقد ہوا۔ اور اس طرح حدِ متارکہ کے اس طرف محاذ رائے شماری کی ایک فعال اور سرگرم تنظیم قائم ہو گئی اور پھر پاکستان گلگت، بلتستان اور آزاد کشمیر کے بڑے بڑے شہروں میں اس تنظیم کی شاخیں بھی قائم ہو گئیں۔

۱۹۶۵ء کی سترہ روزہ جنگ کے بعد جب جنگ بندی کا اعلان ہوا تو کشمیریوں میں سخت مایوسی پیدا ہو گئی چنانچہ کراچی کے کشمیریوں نے، جس میں میر برادران پیش پیش تھے، ایک زبردست احتجاجی جلوس نکالا۔ کراچی کی پوری تاریخ میں اتنا بڑا جلوس نہ نکلا ہو گا۔ یہ جلوس جب امریکی سفارت خانہ کے پاس پہنچا تو پولیس نے لاٹھی چارج اور آنسو گیس پھینک کر جلوس کو درہم برہم کر دیا اور چند کشمیریوں کے ساتھ میرے والد کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ مگر ۲۴ گھنٹے کی حراست کے بعد انہیں رہا کر دیا گیا۔

ایک وقت ایسا آیا جب میرے والد اور مسٹر امان اللہ خان گلگتی کے درمیان اس موضوع پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا کہ آزادی کی نعمت بھیک مانگنے سے نہیں ملتی بلکہ آزادی غاصب سے بزورِ طاقت چھینی جاتی ہے۔ اور قدم قدم پر اس کے لیے خون کے چراغ جلائے جاتے ہیں۔ جب تک الجزائر اور ویت نام کی طرز پر مقبوضہ کشمیر سے کوئی مسلح جدوجہد کی ابتداء نہیں ہو گی کشمیر کی آزادی کی منزل قریب نہیں ہو سکتی۔ ان کی سوچ اور کوششیں رنگ لائیں اور پشاور میں مقبول بٹ، میجر امان اللہ، میرے والد اور امان اللہ خان گلگتی اکٹھے ہوئے اور پھر متفقہ طور پر این ایل ایف کے نام سے ایک چھاپہ مار تنظیم قائم کی گئی جس کا شعبۂ مالیات میرے والد کے سپرد کیا گیا۔ پھر جون ۱۹۶۶ء میں اس تنظیم کے سرکردہ رکن مقبول بٹ اور میجر امان اللہ کچھ دیگر ساتھیوں کے ساتھ مقبوضہ کشمیر روانہ ہو گئے۔ اس کے تمام اخراجات میرے والد، غلام محمد لون اور امان اللہ خان نے برداشت کیے۔ مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو کر انہوں نے مختلف جگہوں پر CELLS بنانے کی ابتدا کی۔ کچھ عرصے بعد راز فاش ہونے پر این ایل ایف کا ایک گروپ پکڑا گیا۔ جس میں ایک شخص اورنگ زیب گولی لگنے سے شہید ہو گیا۔ دو سال مقدمہ چلا۔ کئی آدمیوں کو دو سال سے پانچ سال تک ایک مجاہد صوبیدار کالا خان چودہ سال اور مقبول بٹ اور میر احمد کو پھانسی کی سزا کا حکم سنا دیا گیا اس دوران پاکستان میں بھی میرے والد اور ان کے ساتھیوں کو پوچھ گچھ کے لیے کیمپوں میں بلایا جاتا رہا۔ پھر مقبول بٹ دسمبر ۱۹۶۸ء میں اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ جیل سے فرار ہو کر آزاد کشمیر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جہاں ۲½ ماہ تک ان کا انٹروگیشن ہوا اور پھر انہیں محبِ وطن قرار دے کر رہا کر دیا گیا۔

این ایل ایف کے حریت پسند مقبوضہ کشمیر میں جو بھی کارہائے نمایاں انجام دیتے بعض مصلحتوں کی بنا پر پاکستان کا کوئی بھی اخبار اس آپریشن کو نہ چھاپتا۔ اگر کبھی اخبار میں کوئی چھوٹی بڑی خبر آ بھی جاتی تو محض تعلقات کی وجہ سے! اس طرح وزارتِ امورِ کشمیر نے این ایل

الیف کی سرگرمیوں کو عوام سے متعارف نہیں ہونے دیا۔ بلکہ ہائی جیکنگ سے آٹھ ماہ پہلے انہیں وارننگ بھی دی گئی کہ مقبوضہ کشمیر میں اگر یہ سرگرمیاں بند نہ کی گئیں تو انہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔

حکومت اور پریس کے اس حصار کو توڑنے کے لیے "ہائی جیکنگ" کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ انڈین ایئر لائینز کے فوکر فرینڈشپ جہاز "گنگا" کا آپریشن کامیاب ہوا۔ پاکستانی عوام اور دیگر اقوامِ عالم کشمیری نوجوانوں کی یہ جرأت رندانہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ اہل پاکستان نے کشمیری حریت پسندوں کو سر آنکھوں میں جگہ دی۔ قومی پریس نے اداریے لکھے اور ان کے کارنامے کو خوب سراہا۔ اور اس طرح پہلی بار دنیا کو پتہ چلا کہ کشمیری پوری طرح بیدار ہیں اور غاصب بھارتی آمریت کو کچل دینے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ پاکستان کے سابق حکمران ٹولے کی نیندیں اس واقعہ سے حرام ہو گئیں اور وہ اس کارنامے کے اثرات کو زائل کرنے کے درپے ہو گیا جو مدت سے محاذِ آزادی کی کارروائیوں کو عوام میں آنے سے روک رہا تھا۔

آزاد کشمیر، گلگت اور بلتستان میں عام انتخابات کے ڈھونگ کا پردہ فاش کرنے کے لیے میرے چچا نے محاذ کے دیگر لیڈروں کے ساتھ چار ماہ تک آزاد کشمیر اور پاکستان کا دورہ کیا اور آخری ہفتہ میں گلگت میں بھی محاذ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس رکھا۔ نوکر شاہی نے گلگت کی پروازیں روک دیں۔ جونہی پروازیں دوبارہ شروع ہوئیں، میرے چچا اپنے تین ساتھیوں سمیت گلگت جا پہنچے جس سے برہم ہو کر گلگت کی انتظامیہ انہیں جیپوں میں بھر کر کوہستان، یاغستان کے بے آئین اور لاقانون قبائلی علاقہ کے بلند و بالا پہاڑوں میں چھوڑ کر چلی گئی اور وہ بمشکل ایک لکڑیوں کے ٹرک پر بیٹھ کر سوات کے راستے سے راولپنڈی پہنچے۔ انہوں نے دوبارہ کوشش کی تو محاذ کے سابق صدر عبدالخالق انصاری کو یحییٰ خان کے خلاف ایک تقریر کرنے کے جرم میں مارشل لاء ضابطہ کے تحت تین ماہ کی سزا دے دی گئی۔ میرے چچا اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جب دوبارہ گلگت پہنچے تو ان سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ پھر امان اللہ خان کو جو گلگت کے ہی رہنے والے ہیں، روک کر باقیوں کو طاقت کے بل بوتے پر واپس راولپنڈی بھیج دیا گیا۔

آزاد کشمیر کے انتخابات کا بائیکاٹ اور گلگت بلتستان کے لیے حقوق کا مطالبہ اور اس کے حصول کے لیے عملی جدوجہد کی وجہ سے یحییٰ خان، محاذ رائے شماری کے خلاف تھا۔ مگر چونکہ محاذ رائے شماری کے لوگوں کی اکثریت محبِ وطن، مخلص اور معاشی طور پر آزاد ایسے لوگوں پہ مشتمل تھی جن کے ضمیر یحییٰ خان خریدنے سے قاصر تھے اس وجہ سے وہ اس کی نظروں میں کھٹکنے لگے۔ چنانچہ یحییٰ خان کے ایماء پر ریٹائرڈ میجر جنرل عمر، نوکر شاہی اور اقتدار کی بھوک کشمیری قیادت حریت پسندوں کے کارنامے کو عوام الناس کی نظروں میں گرانے کے لیے ایک سازش تیار کی گئی۔ اور افواہیں پھیلا کر کشمیری حریت پسندوں کے خلاف عوام میں شکوک پیدا کر کے ان کے جوش و خروش کو یکسر ختم کر دیا گیا۔

بقیہ:- انڈونیشیا میں کیا ہو رہا ہے

کمیٹیاں اور "دہائٹ گروپ" قائم کئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ عوام کے شہری حقوق کے مسئلے پر جگہ جگہ کانفرنسیں ہوئی تھیں۔ اب ان تنظیموں کی سرگرمیاں اور زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ اور چونکہ عوام برسر اقتدار ٹولی سے عاجز آ چکے ہیں، اس لئے انھیں عوام کی پوری حمایت حاصل ہے۔

الیکشن کے دوران حکومت نے مخالف پارٹیوں کو کچلنے کے لئے جو مذموم ہتھکنڈے استعمال کئے تھے، ان کی وجہ سے مخالف پارٹیوں اور فوجی ٹولے کے درمیان تضادات بھی شدت اختیار کر گئے ہیں۔

سوویت ترمیم پسندوں کی غداری

اس وقت جبکہ عوام کو وسیع پیمانے پر تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور وہ وسیع پیمانے پر برسر اقتدار ٹولی کے خلاف مزاحمت کر رہے ہیں، سوویت ترمیم پسند اپنے روایاتی انداز میں انڈونیشی عوام کی انقلابی جدوجہد سے کھل کر غداری کر رہے ہیں۔ ۱۴ر جولائی ۱۹۷۱ء کو جکارتہ ریڈیو نے اپنی خبروں میں اس بات کا ثبوت بھی فراہم کر دیا۔ انڈونیشیا میں الیکشن کے بعد سوویت یونین کا سفیر میخائل ڈُلکوف گولکر کے جائنٹ سیکرٹریٹ کے چیئرمین، ایس سوکو واتی سے ملا۔ اس ملاقات کے بارے میں جکارتہ ریڈیو نے کہا: "سفیر میخائل ڈُلکوف انڈونیشیا کے الیکشن میں گولکر پارٹی کی کامیابی پر مبارکباد پیش کرنے آیا تھا۔ اور اس نے اس کامیابی کو جمہوریت اور انڈونیشی عوام کی کامیابی سے تعبیر کیا تھا۔ اس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ گولکر انڈونیشیا کے مستقبل کے لئے ایک اہم کردار ادا کرے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ سفیر میخائل ڈُلکوف نے میجر جنرل سوکو واتی کو سوویت یونین کا دورہ کرنے کی دعوت بھی دی۔"

ایک ایسے وقت جبکہ انقلابی عوام اور کمیونسٹوں نے اس "الیکشن" کا بائیکاٹ کیا، اور جبکہ وہ فسطائی فوجی حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کر رہے ہیں، سفیر میخائل نے جو رویہ اختیار کیا اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ سوویت ترمیم پسندوں کو انقلاب اور عوام کی جدوجہد سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، اور وہ محض اپنے محدود قومی مفادات کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں۔ رجعت پسند سوہارتو ٹولی اور سوویت ترمیم پسندوں میں کیا فرق ہے؟ دونوں گولکر کی کامیابی کو جمہوریت اور عوام کی کامیابی قرار دے رہے ہیں۔ ان کی غداری کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ رجعت پسند سوہارتو کی زبان سے بولتے ہیں۔

انڈونیشی عوام کو ایک بار پھر یہ سبق ملا ہے کہ سوویت ترمیم پسند ان کے دوست نہیں ہو سکتے۔ وہ بار بار انڈونیشی عوام کی جدوجہد کے خلاف اپنے مذموم ہتھکنڈے استعمال کر چکے ہیں۔

مسلح جدوجہد کی راہ پر

حالیہ الیکشن اور جمہور کش ماحول نے انڈونیشی عوام میں یہ احساس شدید کر دیا ہے کہ کمیونسٹوں اور انقلابی عوام نے مسلح جدوجہد کی جو راہ اختیار کر رکھی ہے وہ اس فسطائی ٹولے سے نجات حاصل کرنے کی واحد راہ ہے۔ انڈونیشیا کے معروضی حالات دن بدن سازگار ہوتے جا رہے ہیں۔ عوام میں برسر اقتدار ٹولی کے خلاف نفرت بڑھتی جا رہی ہے۔ فسطائی ٹولہ اپنی عوام دشمن پالیسیوں پر قائم رہے گا۔ اور اس طرح اس کے خلاف عوامی تحریک کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا۔ انڈونیشی عوام عظیم انقلابی روایات کے مالک ہیں۔ وہ ظلم اور طاقت کے آگے کبھی سر نہیں جھکائیں گے۔ سوہارتو ٹولہ اپنے انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔

وہ دن دور نہیں ہے، جب سورج اپنے ساتھ عوام کی سچی آزادی لے کر ابھرے گا۔

مزدور تحریک کا ہراول دستہ - پابندِ سلاسل

محنت کشوں کا معاشی قتلِ عام جاری ہے

اجمل ناصری

کراچی مزدور تحریک کا ہراول دستہ مجید احمد - عثمان بلوچ - باور خاں کی تشکیل میں جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں مُقید ہے - پنجاب میں پی آئی ڈی سی کے مزدوروں کی تحریک کا انقلابی لیڈر خان محمد نثار بھی پابند سلاسل ہے - سائٹ، لانڈھی، کورنگی اور کشمور کے ہزار ہا مزدوروں کا معاشی قتل، عام جاری ہے - اُدھر کھاد فیکٹری مُلتان، داؤد خیل، وڑچھ، ٹیکسلا، پنڈی میں سینکڑوں مزدور نانِ جویں کے محتاج بنا دیئے گئے ہیں -

گبول کو اور اِدھر پنجاب کے افضل وٹو کو حُب الوطنی کے سرٹیفکیٹ دے دیئے ہیں اور مرکزی حکومت نے حنیف رانا، نثار گبول اور افضل وٹو کو حُب الوطنی کے پروانے جاری کئے ہیں اور مرکزی حکومت کو سیٹھ حبیب اللہ پراچہ نے قیمتی مشورے دیئے ہیں - ممتاز بھٹو نے مصطفیٰ کھر کو مبارک باد کا پیغام دیا ہے - اور مصطفیٰ کھر نے ممتاز بھٹو کو - اُدھر سندھ کی نوکر شاہی جاگیر دار اور سرمایہ دار نے کراچی کی مزدور تحریک کا قلع قمع کرنے کا اعلان کراچی کے جیالے مزدوروں کی پچیس روزہ ہڑتال ختم ہو چکی ہے ادھر پی آئی ڈی سی پنجاب کے مزدوروں کی چوبیس روزہ ہڑتال ختم ہو چکی ہے - کراچی اور پنجاب میں پی آئی ڈی سی کے مزدوروں کی تحریک کے فریقین تاریخی طور پر ایک ہیں - ان کے طبقاتی مفادات ایک ہیں لیکن ایک واضح فرق یہ تھا کہ سندھ کے اخبارات اور رسائل نے اپنے مفادات کی خاطر پوری طرح مزدور تحریک کا ساتھ دیا لیکن پنجاب میں صحافت کی علمبردار ٹولی نے پی آئی ڈی سی کے مزدوروں کی جدوجہد کو اخباری خبر تک نہ بننے دیا - ان کا مقصد یہ تھا کہ کراچی کے مزدوروں کا سُرخ پرچم کھاد فیکٹری مُلتان کے جیالے محنت کش نہ دیکھ سکیں - لیکن تاریخ کا بے رحم دھارا کسی بھی عوام دُشمن کو معاف نہیں کرتا - چنانچہ تاریخ نے پنجاب میں محنت کش عوام کے دشمنوں کو بے نقاب کر دیا - اگر داؤد ملز کراچی کا مزدور داؤد کے مظالم کے خلاف برسرِ پیکار ہے تو اس کا طبقاتی بھائی کھاد فیکٹری مُلتان میں حکومت کی طرف سے کھاد خریدنے کے عوض داؤد سیٹھ کو ڈیڑھ کروڑ کی رعایت دینے پر سراپا احتجاج بنا یا گیا ہے - مزدور جدوجہد نے ثابت کر دیا کہ اگر کراچی کے مزدور نے کراچی کی پہاڑیوں میں عوام دشمن سامراج کی دلال نوکر شاہی کی سنگینوں کا مقابلہ کیا تو وڑچھ کے مزدوروں نے نمک کے پہاڑوں میں نوکر شاہی کے مسلح غنڈوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا -

پنجاب میں پی آئی ڈی سی کے مزدوروں کی تحریک کے بارے ملک بھر کے مزدوروں اور مزدور دوستوں تک مکمل معلومات اس لئے نہ پہنچ سکیں کہ نیشنل پریس ٹرسٹ اور پنجاب میں نام نہاد حزبِ اختلاف کے رجعت پسند مالکانِ جرائد نے اِس تحریک کی وضاحت کو اپنے طبقاتی مفادات کے خلاف سمجھا اور اس پر طرّہ یہ کہ صحافت ایک پیشہ ور سیاسی بھیڑیے پاکستانی گوئبلز کے مشقِ ستم کی شکار رہی -

پنجاب میں ۲۲ر اگست ۱۹۷۲ء کو پی آئی ڈی سی کے مزدوروں نے اپنی تحریک میں ایک نئے باب کی تشکیل کا اضافہ کیا ہے - اور یہ پہلا موقع تھا کہ ملتان کھاد فیکٹری کے مزدوروں کے حق میں وڑچھ - ٹیکسلا - راولپنڈی - اور داؤد خیل کے ہزاروں مزدوروں نے ہڑتال کی اور یہ تمام فیکٹریاں ایک دُوسرے سے اوسطاً دو سو میل کے فاصلہ پر تھیں -

کھاد فیکٹری مُلتان کے جیالے مزدوروں نے جو پورے پنجاب میں ایک مُنفرد انقلابی ورثے کے مالک ہیں - مغربی پاکستان میں سب سے پہلے فروری ۱۹۶۹ء میں فیکٹری پر قبضہ کر کے اپنی عملی تحریک کا آغاز کیا - جن کے قائد ساتھیوں نے الیبو فرٹیلائیزرز کے مزدور ساتھیوں کا ہر ممکن ساتھ دیا - گذشتہ پاک بھارت جنگ سے کچھ روز قبل کھاد فیکٹری مُلتان کے مزدوروں نے ہڑتال کا نوٹس دیا تو اُس وقت کے فوجی گورنر عتیق الرحمان نے ہڑتال پر پابندیاں عائد کر دیں - لیکن مزدوروں نے اس پابندی کے خلاف یہ نعرہ بلند کیا کہ پابندی پاکستان بھر کے مزدور طبقے کے

مزدوروں، طلبہ اور عوا



خان محمد نثار

ادھر ستار گبول، ادھر افضل وٹو حب الوطنی کے سرٹیفکیٹ جاری کرتے ہیں۔



...ں پر پولیس کا لاٹھی چارج

حقوق پر ڈاکہ ہے اور ہم اسے تسلیم نہیں کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے جو کہا وہ کر کے دکھایا۔ ہڑتال ہوئی اُس وقت کی پیپلز پارٹی کے چیئرمین بھٹو سے لے کر عام اراکین تک نے ہڑتال پر پابندی کی مذمت کی اور ہڑتالی مزدوروں کو اپنی حمایت کا یقین دلایا بلکہ مختار اعوان نے ملک بھر میں ہڑتال کی دھمکی دے دی۔ اس ہڑتال کو مزدوروں نے جنگ چھڑ جانے کے سبب غیر مشروط طور پر ختم کر دیا۔ پھر جب عنانِ اقتدار بھٹو صاحب کو سونپ دی گئی تو ملتان کھاد فیکٹری کے مزدوروں نے انہیں اپنے مطالبات یاد دلائے مگر جو ہونا تھا وہی ہوا۔ یعنی چہرے ہی تو بدلے تھے حکمران طبقات کا اتحاد ثلاثہ (جاگیردار، سرمایہ دار، نوکر شاہی) تو جوں کا توں قائم تھا۔ چنانچہ حکمرانوں نے مزدوروں کی بات سننا گوارا نہ کی۔ اس پر مزدوروں نے ہڑتال کا نوٹس دیا تو عتیق الرحمان کی کرسی پر بیٹھے ہوئے لیفٹیننٹ جنرل مصطفیٰ کھر گورنر پنجاب عتیق الرحمان کی نوکر شاہی کا ٹائپ کردہ ہڑتال پر پابندی کا نوٹس منگوایا اور مزدوروں کو دھمکی دی کہ "کھاد فیکٹری ملتان (PUBLIC UTILITY SERVICE) میں آتی ہے۔ اس لئے ہڑتال پر پابندی عائد کی جاتی ہے اور خلاف ورزی کرنیوالوں کو کچل دیا جائے گا"، اس پر کھاد فیکٹری ملتان کے مزدوروں میں بے چینی بڑھ گئی۔ انہوں نے اپنی نمائندہ فیڈریشن ڈبلیو پی آئی ڈی سی کی ایمپلائیز فیڈریشن سے مدد مانگی۔

فیڈریشن کے دو اجلاس داؤد جیل۔ گوجرانوالہ میں منعقد ہوئے۔ جن میں ہر دو میں ہڑتال پر سے پابندی اٹھانے کا مطالبہ کیا گیا لیکن نوکر شاہی نے کوئی اثر قبول نہ کیا۔ چنانچہ فیڈریشن کے فیصلہ کے مطابق مندرجہ ذیل کارروائیاں کی گئیں۔

۹:۔ ۷ اگست ۱۹۷۲ء دو دو گھنٹے کی اوزار چھوڑ ہڑتال۔

۹:۔ ۹ اگست ۱۹۷۲ء فیڈریشن سے ملحقہ گیارہ فیکٹریوں کی چار چار گھنٹے کی علاقائی ہڑتال۔ نوکر شاہی کو بار بار مذاکرات کی دعوت دینے کے باوجود کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ صرف ایک جنرل منیجر لیبر بشیر کراچی سے آیا اور دھمکی دے کر چلا گیا کہ "ہڑتال کر کے دیکھو، کس بل نکال دیں گے"۔

نوکر شاہی کے ایک فرد کی اس دھمکی پر غور کیا جاتا رہا۔ اِس دوران یہ بات بھی دُھرائی جاتی رہی کہ "جب دشمن لڑائی چاہتا ہو تو ہمیں نہیں لڑنا چاہیئے"۔ لیکن پورے پنجاب میں پھیلے ہوئے چھ اضلاع کے مزدوروں کو سمجھانے کا وقت نہ تھا کہ اس پر پیشہ ور مزدور رہنماؤں اور پنجاب میں سرکار پرست مزدور فروشوں نے یہ راگ الاپنا شروع کیا کہ "مزدوروں کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے اور اِن کا ہر طرح سے ساتھ دیا جائے گا"۔ مزدور تحریک کی رفتار کے معروضی حقائق نے مزدور قیادت کو تاریخی جبر کے سامنے اپنی انقلابی رجائیت کا اظہار کرنے کا چیلنج دیدیا چنانچہ انہوں نے پیٹی بورژوا سفیرانِ سوشلزم کی طرح



ڈبلیو پی آئی ڈی سی ایمپلائز فیڈریشن پنجاب کے صدر لانگے خان مزدوروں کے جلسہ عام سے خطاب کر رہے ہیں

پیشہ ور مزدور لیڈر ہر جگہ تحریک کو نقصان پہنچا رہے ہیں

اپنی طبقاتی بزدلی کو مصلحت کا نام دینے کے، بجائے جد وجہد کے انقلابی عمل کو اپنایا۔ ۲۲ اگست کو کھاد فیکٹری ملتان، سیمنٹ فیکٹری داؤد خیل، کریم کیمیکلز راولپنڈی، کھاد فیکٹری داؤد خیل، پاک ڈائز فیکٹری پینسلین فیکٹری داؤد خیل، کھاد فیکٹری جڑانوالہ، وڈ چھ مائینز، سٹون کیوری داؤد خیل اور ہیری میکینکل کمپلیکس ٹیکسلا کے ہزاروں مزدوروں نے ہڑتال کردی اور یوں پی آئی ڈی سی کے مزدوروں کی انقلابی قیادت نے حکومت۔ مزدور تنظیموں۔ مزدور لیڈروں اور انقلابی طلبہ اور دانشوروں کو ایک امتحان میں ڈال دیا۔

ہڑتال کے فوراً بعد صف بندی کا عمل شروع ہوگیا۔ سب سے زیادہ تشدد کا نشانہ کھاد فیکٹری ملتان کے مزدوروں کو بنایا گیا۔ وڈچھ، ٹیکسلا، داؤد خیل، جڑانوالہ پنڈی میں ایک طرف پی آئی ڈی سی کے محنت کش تھے تو دوسری طرف پیپلز پارٹی کے جاگیر دار۔ جی حضوری کارکن۔ پیپلز گارڈ کے غنڈے پولیس اور سرمایہ دار متحد ہو گئے۔ ملتان کے سرمایہ داروں نے مل کر سپرنٹنڈنٹ اور جنرل منیجر کھاد فیکٹری بریگیڈیئر کیانی کو سکوں کی جھنکار پر نچایا سرمایہ دار اس تحریک کو اس لئے کچلنا چاہتے تھے کہ ملتان میں تمام کے تمام ٹریڈ یونین لیڈران کی جیب میں تھے اگر کوئی ان کے سرمایہ کے جال میں نہ آتا تھا تو وہ خان محمد نثار تھا۔ چنانچہ پولیس نے "غدار مزدوروں" کی خوب خبر لی مزدور کالونی پولیس سٹیٹ بن گئی۔ مزدوروں کو ننگا کر کے اسکول کی عمارت میں زدو کوب کیا گیا، لیکن جب پولیس انسپکٹر مسٹر بخاری بید مار مار کر ہانپنے لگتا اور پوچھتا "بولو! کام پر جاتے ہو یا نہیں" تو جواب ملتا "نہیں جائیں گے! جد وجہد جاری رہے گی" اس پر وہ واہی تباہی بکتا اور کہتا کہ۔

"بھائیو! مار کھاتے ہو، لیکن کام پر نہیں جاتے۔ اُس ملک دشمن۔ غدار ... کے بچے خان نثار نے تمہیں کیا پلا دیا ہے"

بچوں کا پانی بند کیا گیا۔ لاٹھی چارج کی گئی۔ گرفتاریاں کی گئیں۔ مگر ہڑتال جاری رہی۔ مزدوروں کی عورتوں نے خان محمد نثار کو ہر طرح تحفظ دیئے رکھا" انقلابی طلباء نے مزدوروں کا ساتھ دیا۔ کراچی سے عثمان بلوچ نے اپنے ساتھی کرامت حسین کو بھیجا۔ کراچی کے حالیہ مزدور تحریک کے نامور انقلابی لیڈروں میں سے اقبال نیازی داؤد خیل پہنچے۔ عزیز الحسن، محمد اکرام ملتان پہنچے۔ حیدر آباد ذیل پاک سیمنٹ فیکٹری کے مظلوم حسین شاہ داؤد خیل جا پہنچے، ملتان میں جب خان محمد نثار فیکٹری سے نکل کر شہر آ گئے تو مقامی ہڑتالی مزدوروں کے ساتھ ساتھ دیگر جگہ کے ہڑتالی مزدور لیڈروں کے پیغامات آتے رہے اور آخری وقت تک ہڑتالی مزدوروں کے درمیان رابطہ قائم رہا۔ ملتان میں کراچی سے آکر انقلابی ساتھیوں عزیز الحسن محمد اکرم نے مزدوروں کے حوصلے بڑھائے اور ۸ راگست کو انہوں نے ملتان پولیس کے ہاتھوں ملتان کے مزدوروں اور طلباء کے ساتھ مل کر تشدد بھی سہا۔ جس جلوس پر حرم گیٹ تھانہ کے قریب لاٹھی چارج ہوا، اس کی قیادت مقامی طالب علم عزیز نیازی۔ عزیز الحسن۔ محمد اکرم اور مزدور مجلس عمل کے منظور بھٹی کر رہے تھے۔

پولیس کو تازہ ہدایات پیپلز پارٹی ملتان کے چیئرمین اشفاق احمد خان کے ذریعے ملتی رہیں۔ غرضیکہ پوری سفاکی کے ساتھ مزدوروں کو دبایا جاتا رہا اس دوران مولانا کوثر نیازی کی وزارت نشر و اشاعت برابر مزدوروں کو غدار قرار دیتی رہی۔ ریڈیو پر پیشہ ور مزدور لیڈر معاوضہ کماتے رہے۔ ملتان کے نام نہاد پیشہ ور ٹریڈ یونین لیڈر معافی نامے لکھ کر دیتے رہے۔ ادھر وڈچھ میں پولیس نے غنڈوں کی مدد سے مزدور رہنما جناب اشرف خان کو ان کے بائیس ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کرنا چاہا، مگر مزدوروں نے ڈٹ کر مزاحمت کی جس پر پہاڑوں میں ۳ گھنٹے کی لڑائی کے بعد ایک مزدور شہید اور ایک زخمی ہو گیا۔ جس پر مزدوروں نے پولیس پر براہ راست حملہ کر دیا۔ جس کی تاب لانا مزدور دشمنوں کے بس کا روگ نہ تھا چنانچہ پولیس کو بھاگنا پڑا۔

ٹیکسلا میں اور کریم کیمیکلز میں پولیس نے پیپلز پارٹی کے جاگیرداروں کے ساتھ مل کر منظم غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا۔ دوسری طرف ورکرز یونین جڑانوالہ کے صدر مزدور رہنما سلطان احمد افضل پر الزام لگایا گیا کہ ان کا تعلق نیپ سے ہے۔ بلکہ یہاں تک ہوا کہ سہگلوں کے پالتو ایک مزدور فروش لیڈر نے جا کر مزدوروں کا ہمدرد بن کر خان محمد نثار اور سلطان افضل کے بارے میں کہا کہ یہ تو جماعت اسلامی کے ایجنٹ ہیں داؤد خیل میں مزدوروں کے خلاف نواب زادگان کالا باغ نے غنڈے بھیجے۔ پولیس نے ہڑتالی کیمپ میں لاٹھی چارج اور آنسو گیس کا بے دریغ استعمال کیا۔ پھر جب مزدوروں نے دوسرا کیمپ داؤد خیل شہر میں قائم کر لیا تو پولیس نے وہاں بھی مزدور لیڈروں کو گرفتار کرنے کی کوشش۔ داؤد خیل کے کسانوں اور شہریوں۔ عورتوں اور مردوں نے لاٹھیاں کلہاڑیاں لے کر اُن کا گھیراؤ کر لیا اور چھ گھنٹے کے بعد ڈپٹی کمشنر کی یقین دہانی پر انہیں جانے دیا۔ ڈپٹی کمشنر نے وعدہ کیا کہ وہ شہر میں نہیں آئیں گے اور پولیس ہڑتالی کیمپ سے دور رہے گی۔

اس طرح یہ ہڑتال ۲۲ راگست سے ۱۴ ستمبر تک جاری رہی اور پھر حکومت کی اس یقین دہانی پر ختم کر دی گئی کہ کسی مزدور کو برطرف نہیں کیا جائے گا۔ مقدمات ختم کر دیئے جائیں گے۔ جس کا باقاعدہ اعلان فیڈریشن کے سیکرٹری جنرل خواجہ محمد ارشاد صاحب نے پریس کانفرنس میں کیا۔

لیکن اِدھر مزدوروں نے پیداواری عمل شروع کیا اُدھر معاشی قتل عام شروع ہو گیا۔ سینکڑوں مزدوروں کو برطرف کر دیا گیا اور اس کی جگہ پیپلز پارٹی کے وزیروں کے رشتے دار اور دوست بھرتی کر لئے گئے۔

چار طالب علموں ناصر عباس زیدی۔ شاہد قریشی ظفر اللہ اور ڈاکٹر مرزا مجاہد کے علاوہ تقریباً ڈھائی سو مزدوروں پر مارشل لاء کی دفعہ ۱۱۶ اے اور ڈی پی آر سے لے کر چوری تک کے مقدمات درج ہیں۔ لیبر یونین کھاد فیکٹری ملتان اور ڈبلیو پی آئی ڈی سی ایمپلائیز فیڈریشن پنجاب کے صدر خان محمد نثار کی ایک مقدمہ میں ضمانت ہوئی تو انہیں ڈیفینس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ وہ تاحال ڈسٹرکٹ جیل ملتان میں قید ہیں۔

یہ سب کچھ ہوتا رہا اور ملک بھر کا نیشنل پریس ٹرسٹ خاموش رہا۔ انقلاب کے ٹھیکیدار دانشور THESIS دیتے رہے۔ کسی نے مزدور تحریک کو مہم جوئی کا نام دیا۔ رجعت پسندوں نے کہا کہ ہڑتال خود پیپلز پارٹی نے کرائی ہے۔ لیکن کہنے

باقی صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں

دھمکی دینے والے کو وزیر بنا دیا گیا

ن - م - سانگھڑانی

میں "الفتح" کا مستقل قاری ہوں - الفتح کے تمام شمارے میرے پاس محفوظ ہیں اب آپ نے "حلقۂ قارئین الفتح" بنایا ہے - اور قارئین کو ملکی اور عوامی مسائل پر سوچنے، غور کرنے اور لکھنے کی دعوت دی ہے - یہ سلسلہ نہایت ضروری تھا - کیونکہ اس سے مختلف علاقوں کے مسائل سامنے آئیں گے - اور مسائل کے حل کی تجاویز پیش کی جائیں گی -

میں سندھ کے پس ماندہ اور غیر ترقی یافتہ ضلع سانگھڑ کا رہنے والا ہوں - سانگھڑ رجعت پسندوں کا گڑھ ہے - پیروں کا زور ہے - ان کے استحصال کے خلاف آواز اٹھانے والے کو کہیں پناہ نہیں ملتی - جب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد ڈالی - تو اپنے ترقی پسندانہ پروگرام کی وجہ سے یہ پارٹی عوام میں مقبول ہونے لگی - ضلع سانگھڑ کے عوام اور ہاریوں نے جو صدیوں سے وڈیروں اور پیروں کی لوٹ کھسوٹ کے خلاف تھے، اس پارٹی کے پروگرام میں اپنی تمناؤں، خواہشات اور امنگوں کی جھلک دیکھی لیکن سانگھڑ میں پیپلز پارٹی قائم کرنا اور اس کے پروگرام کو گھر گھر پہنچانا کوئی معمولی کام نہیں تھا - یہاں پیپلز پارٹی کا نام لینا "جرم" سمجھا جاتا ہے، پیپلز پارٹی کے حامیوں کو "کافر اور کمیونسٹ" کہا جاتا تھا، ان حالات میں جناب عبدالواحد بروہی ایڈووکیٹ نے سانگھڑ میں پیپلز پارٹی کی داغ بیل ڈالی - واحد بروہی ایک کسان کے بیٹے ہیں - انہیں ہاریوں اور کسانوں کے حالات معلوم تھے وہ جانتے تھے کہ یہ مظلوم طبقہ کس بُری طرح سے وڈیروں کی لوٹ کھسوٹ کا شکار ہے - جب واحد بروہی نے سانگھڑ میں پیپلز پارٹی کا دفتر کھولا تو ان کے ہم پیشہ ساتھیوں نے ان کا مذاق اڑایا اور کہا کہ تم کس چکر میں پڑ گئے ہو، وڈیرے تمہاری زندگی اجیرن کر دیں گے - اور کوئی تعجب نہیں کر تمہیں قتل کروا دیں - لیکن واحد بروہی نے ان باتوں کی پرواہ نہیں کی اور پارٹی کے لئے شب و روز کام کرتے رہے - میر ضیغم الدین تالپور، کامریڈ نظر محمد بروہی اور عبدالرزاق سومرو نے واحد بروہی کے دوش بدوش کام کیا - عوام پیپلز پارٹی کے پرچم تلے جمع ہونے شروع ہوئے تو وڈیروں نے یحییٰ حکومت سے ساز باز کر کے عبدالرزاق سومرو کو غنڈہ ایکٹ کے تحت گرفتار کروا دیا - ان استحصالیوں کا خیال تھا کہ رزاق سومرو کی گرفتاری سے پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی حوصلہ شکنی ہو گی اور وہ پارٹی کو چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جائیں گے لیکن اس کا اثر الٹا ہوا - کارکن پہلے سے زیادہ جوش و خروش سے کام کرنے لگے - سانگھڑ میں پیپلز پارٹی مقبول ہوئی تو غلام رسول انڑ بھی اس میں شامل ہو گئے - لیکن انہوں نے عوام میں کام سے ہمیشہ گریز کیا - مخدوم صاحب آف ہالہ بھی پیپلز پارٹی میں شریک ہو گئے - لیکن جام صادق علی اعلانیہ مخالفت کرتے رہے - اور دھمکیاں دیتے تھے کہ اگر بھٹو کا نام لیا تو زبان کھینچ لی جائے گی - اور اگر "دوختر" بھیج دوں تو وہ تمہیں قتل کر دیں گے - لیکن اب یہی صاحب پیپلز پارٹی سب سے زیادہ خیر خواہ بن گئے ہیں - پارٹی کے رہنماؤں کی صفِ اوّل میں کھڑے ہوتے ہیں - اور انہیں وزارتِ بلدیات بھی سونپ دی گئی ہے - حالانکہ عوام سمجھتے تھے کہ اگر پیپلز پارٹی برسرِ اقتدار آگئی تو وہ جام صادق علی سے حکومتی قرضے وصول کرے گی - لیکن اب وہ وزیر بن کر اقربا نوازی میں مصروف ہیں اور پارٹی میں اپنا گروپ بنانے کے گٹھ جوڑ میں مصروف ہیں -

آئندہ مکتوب میں "زرعی اصلاحات اور کسان" کے عنوان سے زرعی اصلاحات کا تجزیہ کروں گا - اور یہ بھی بتاؤں گا کہ ضلع سانگھڑ میں زرعی اصلاحات کو ناکام بنانے کی کیا کیا کوششیں ہو رہی ہیں - سانگھڑ کے سرکاری دفاتر کی بدعنوانیوں اور وڈیروں کے ظلم و تشدد کا پردہ بھی چاک کروں گا۔

محنت کشوں کو انقلابی نظریات سے مسلّح کیجئے

خان ظفر افغانی

جب سے "الفتح" شائع ہونا شروع ہوا ہے، تب سے ہی اسے مستقل پڑھتا چلا آ رہا ہوں - صحیح معنوں میں یہ پاکستان کا واحد سوشلسٹ جریدہ ہے - سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ پرچہ غیر جانبدار ہے - مضامین نہایت اچھے اور معلوماتی ہوتے ہیں - اور یہ نہایت ٹھوس اور غیر جانبدار ہوتا ہے - پاکستان کے موجودہ حالات میں، اور یحییٰ کے دور میں، یہ پرچہ اپنی ذمہ داری پوری کرتا رہا اور کر رہا ہے -

پچھلے چند شماروں سے آپ کی ایک اپیل "حلقۂ قارئین الفتح" کے نام سے شائع ہو رہی ہے اس اپیل کے نکات قابلِ توجہ اور اچھے ہیں - میں آپ کی اس اپیل کے سلسلے میں ہی اپنے خیالات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

الفتح کافی تعداد میں پڑھا جاتا ہے - اور بیشک اس کے قارئین کا ایک حلقہ ہے جو ہر علاقے میں پایا جاتا ہے - اور یہ بھی درست ہے کہ الفتح کے قارئین الفتح کے مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال بھی کرتے ہیں - آپ کی یہ اپیل ہمارے گروپ میں بھی یعنی الفتح کے قارئین کے گروپ میں بہت پسند کی گئی ہے اور اسے سب ہی انتہائی حوصلہ افزا قرار دیتے ہیں -

ہم کراچی کی ایک پرولتاری بستی میں رہتے ہیں لہٰذا یہاں کے مسائل بھی بہت سے ہیں - یہاں پر سب سے بڑا اور اہم مسئلہ ٹرانسپورٹ کا ہے - ۲۵ سال میں جتنی بھی حکومتیں آئیں انہوں نے ٹرانسپورٹ

کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ حتیٰ کہ اس "عوامی حکومت" نے بھی اس طرف توجہ نہیں دی۔

جب سے لانڈھی کورنگی میں اومنی بس کی اجارہ داری قائم ہوئی ہے یہ مسئلہ انتہائی شدت اختیار کر گیا ہے اومنی بس کی اجارہ داری نے لانڈھی کورنگی کے رہنے والوں کو زندہ در گور کر دیا ہے۔ اگر یہاں پرائیویٹ بسوں کے مالکان کو بھی بسیں چلانے کی اجازت دے کر اومنی بس کی اجارہ داری ختم کر دی جائے تو یہ مسئلہ کافی حد تک حل ہو جائے گا۔

اومنی بس کی انتظامیہ کا رویہ انتہائی خراب ہے۔ ڈرائیورز اور کنڈیکٹرز انتہائی بد اخلاق ہیں۔ آئے دن بسوں میں جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ ڈرائیور جھگڑا ہوتے ہی بس کو ڈپو میں لے جاتا ہے اور پھر وہاں سب مل کر اس بے چارے کی "تواضع" کرتے ہیں جس سے جھگڑا ہوا تھا۔ اومنی بس کی اجارہ داری نے عوام کو بہت پریشان کر رکھا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ "الفتح" میں ایک کمی پائی جاتی ہے۔ اور وہ ہے "سوشلسٹ" تعلیم کی اس سے میری مراد یہ ہے کہ جہاں الفتح میں اتنے اچھے اور معلوماتی مضامین آتے ہیں۔ وہاں یہ بھی ہونا چاہیئے کہ کارل مارکس، اینگلز، لینن کی تصانیف بھی مختصراً ہی سہی، لیکن ضرور شائع کرنی چاہیئے۔ محنت کشوں اور عوام میں سوشلزم کی تعلیم کی بہت کمی ہے۔ مزدوروں کو سوشلزم سے بالکل آگاہی نہیں ہے۔ یہاں پر چونکہ اسٹڈی سرکل نہیں ہیں لہٰذا آپ اپنے پرچے کے ذریعے مارکس اینگلز، لینن کی تصانیف کو قسط وار شائع کریں۔ صرف الفتح انکشاف، پردہ چاک، واقفِ حال، ترکی بہ ترکی سے ہی کام نہیں چلے گا۔ اگر آپ سوشلسٹ تحریک کو آگے بڑھانے کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ تو ضروری تصانیف کو شائع کرنا شروع کیجئے۔ ہر آدمی داس کیپٹل نہیں خرید سکتا۔ آپ اس نکتہ پر غور کریں۔

اس کے علاوہ یہ بھی کہ آپ کے پاس جو شخص بھی عوامی اور محنت کشوں کے مسائل سے متعلق مضمون روانہ کرے آپ اسے پرچے میں جگہ دیں۔ یہ پرولتاریہ کا پرچہ ہے۔ بارون کا نہیں؛ مضمون میں آپ ضرور ترمیم کریں۔ غلطیاں نکالیں اور مضمون نگار کی حوصلہ افزائی کریں۔ مزدوروں کو خاص طور جگہ دیں۔

جو صاحب بھی الفتح سے آئیں گے ہم ان کا استقبال کریں گے، وہ آئیں، ہم منتظر ہیں۔

خیبر سے کیماڑی تک

مفتی صاحب سرکاری بنگلے میں محوِ خواب ہیں

عبدالوحید اعوان

غنڈوں نے گذشتہ کئی مہینوں سے پشاور کے عوام کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے "بندوق میرا قانون" کی اصطلاح عام ہو چکی ہے۔ چاقو اور پستول کے زور پر غنڈہ ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ بارونق بازاروں سے لوگوں کو اغوا کیا گیا۔ اہل پشاور ان سب مصائب کو صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے۔ انہوں نے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا جس سے حکومت کے لئے کوئی دشواری پیدا ہو۔ انہوں نے وقتاً فوقتاً حکومت کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ لیکن مفتی اور اس کے وزیر سرکاری بنگلوں میں محوِ خواب رہے۔ عوام کے حالات سے مکمل چشم پوشی نے سماج دشمن عناصر کو تقویت پہنچائی۔ اور رات کی تاریکی میں لوٹنے والے دن کی روشنی میں لوٹنے لگے۔ ان وارداتوں نے عوام کا پیمانہ صبر لبریز کر دیا۔ اور یہ جام اُس وقت چھلک پڑا۔ جب ۱۸ر نومبر کی صبح کو پشاور کے مشہور و معروف قصہ خوانی بازار سے لاہوری سویٹ ہاؤس کے مالک محمد اسماعیل کے سولہ سالہ بیٹے جمیل کو اغوا کیا گیا۔

واقعات کے مطابق جمیل حسبِ معمول صبح ساڑھے چار بجے دوکان کھولنے کے بعد دوسرے ملازمین کے ہمراہ کام میں مصروف ہو گیا ساڑھے پانچ بجے ایک کار دوکان کے سامنے رکی اس میں آٹھ مسلح افراد سوار تھے۔ کار سے دو افراد باہر نکلے جمیل کو دوکان سے نیچے گرایا۔ زدوکوب کیا۔ اور کار میں ڈال کر فرار ہو گئے۔ یہ خبر پورے پشاور میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اِس کے خلاف بطورِ احتجاج پورے پشاور میں ہڑتال کی گئی۔ ہر طرف سیاہ پرچم لہرا رہے تھے۔ عوام نے جذبات کے اظہار کے لئے جلسے کئے اور جلوس نکالے۔ سب سے بڑا جلوس چوک یادگار سے نکالا گیا۔ جو شہر کے بڑے بڑے بازاروں کا گشت کرتا ہوا۔ گورنمنٹ ہاؤس پہنچا اس کے بعد سول سکرٹریٹ گیا۔ جلوس کے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی مفتی حکومت نے عوام پر سکرٹریٹ کے دروازے بند کر دیئے۔ مظاہرین نے خبردار کیا اگر وزیرِ اعلیٰ نے پانچ منٹ کے اندر ان سے خطاب نہیں کیا تو وہ زبردستی اندر گھس جائیں گے لیکن مفتی اپنے دفتر سے باہر نہیں نکلے۔ ان کی جگہ وزیرِ تعلیم امیر زادہ خان نے خطاب کیا۔ اور یقین دلایا کہ کل بارہ بجے تک اغوا شدگان کو برآمد کر لیا جائے گا۔ اگلے روز ۱۹ر نومبر کو بھی شہر بند رہا۔ حکومت کی یقین دہانی کے مطابق ۱۲ بجے سکرٹریٹ سے رابطہ قائم کیا گیا۔ تو انہوں نے دو بجے تک کی مہلت مانگی۔ دو بجے تک انتظار کیا گیا۔ لیکن اغوا شدگان کو برآمد کرنے میں حکومت مکمل طور پر ناکام رہی۔

اس کے بعد قصہ خوانی بازار میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا۔ جلسہ کے بعد جلوس نکالا گیا۔ پشاور کی تاریخ میں اس سے پہلے شہریوں کا کبھی اتنا بڑا احتجاجی مظاہرہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ لوگوں کا یہ سیلاب مختلف نعرے لگاتا ہوا گورنمنٹ ہاؤس پہنچا۔ مظاہرین نے تمام راستے اور گورنمنٹ ہاؤس کے سامنے "مفتی ہائے ہائے" "مفتی استعفیٰ دو"، "صوبائی حکومت مردہ باد" "غنڈہ گردی بند کرو"، "ارباب سکندر ہائے ہائے" کے نعرے لگائے۔ گورنمنٹ ہاؤس کے سامنے مظاہرین تین گھنٹے تک دھرنا مارے بیٹھے رہے لیکن کوئی وزیر عوام سے مخاطب ہونے کی جرأت نہیں کر سکا۔

اس ہی دن صدر بھٹو تربیلا کا دورہ کر کے پشاور آنے والے تھے۔ چار بجے کے قریب وہ گورنمنٹ ہاؤس آئے۔ صدر مظاہرین کے قریب گئے اور ہاتھ کے اشارے سے انہیں صبر کی تلقین کی بعد ازاں صدر نے مظاہرین کے نمائندوں کو اس مسئلہ پر تبادلۂ خیال کے لئے گورنر ہاؤس بلایا اور صدر نے صوبائی حکومت کو فوری اقدامات کرنے کی ہدایت کی۔ اس یقین دہانی پر پشاور کے عوام نے ہڑتال ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس جلوس سے پہلے جتنے جلسے ہوئے اُن سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے صوبائی حکومت پر مکمل عدمِ اعتماد کا اظہار کیا۔ انہوں نے صوبائی حکومت

سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا۔ ایک طالب علم لیڈر حمید اللہ زاہد نے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا اگر اس قسم کی وارداتوں کی روک تھام کے لئے مؤثر اقدامات نہ کئے گئے تو طلبہ صوبہ سرحد میں اِن کے خلاف تحریک چلائیں گے۔ طالب علم لیڈر قمر عباس نے کہا۔ آج ہمارے جوانوں کو اغوا کیا جا رہا ہے کل یہ ہاتھ ہماری بہنوں اور بیویوں تک پہنچیں گے۔ لیکن ہم ان ہاتھوں کو اس سے پہلے ہی کاٹ دیں گے۔ اگر اغوا کا سلسلہ جاری رہا تو ہم سوات کے واقعہ کی یاد تازہ کر دیں گے۔ اور اگر حکومت یوں ہی خاموش رہی تو حکومت کے خلاف تحریک چلائیں گے سینما روڈ سے محمد یوسف کو اغوا کیا گیا تھا اُس کے بوڑھے باپ نے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ حکام سے کئی بار مل چکا ہے لیکن ہر بار ناکامی ہوئی۔ اُس کے پاؤں پر وزراء کے دفتروں کے چکر لگا لگا کر چھالے پڑ چکے ہیں۔ وہ رو رو کر کئی بار اُن سے کہہ چکا ہے کہ اگر اس کا بیٹا اُسے زندہ نہیں مل سکتا ہے تو اس کی لاش ہی دے دو۔ شہریوں کے ایک نمائندے نے کہا۔ صوبائی حکومت عوام کے جان و مال کے تحفظ میں مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے اسلئے اب اسے مستعفی ہو جانا چاہیئے۔

حکومت کے اندر سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو تاریخ سے سبق سیکھنا چاہیئے۔ انہیں عوام اور ملک کے مفاد میں خود کو ٹھیک کر لینا اچھا ہے۔

آئندہ کا لائحہ عمل مرتب کرنے سے پہلے بائیں بازو کے کارکنوں کو صدر بھٹو اور کنونشن کے شرکاء کی تقریریں اور قراردادوں کا تجزیہ کر لینا چاہیئے۔ اور اس کے بعد انہیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ پیپلز پارٹی میں کہاں کھڑے ہیں۔ (باقی آئندہ)

بقیہ: پیپلز پارٹی کا کنونشن

صفحہ ۸ سے آگے

مملکت برائے عوامی امور پاکستان پیپلز پارٹی کے ممتاز رہنما اور مرکزی کمیٹی کے رکن مسٹر معراج محمد خان نے کل سے یہاں شروع ہونے والے پیپلز پارٹی کے قومی کنونشن کو ڈھونگ قرار دیتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ وہ اس کنونشن میں شرکت نہیں کریں گے۔ انہوں نے آج یہاں ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ جس طرح پاکستان بھر میں اور خاص طور پر سندھ میں پیپلز پارٹی کے کنونشن کے لیے مندوبین کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اور انہیں نامزد کیا گیا ہے اس نے کنونشن کو ایک ڈھونگ میں تبدیل کر دیا ہے۔ مندوبین کی اکثریت حکومت اور وزراء کے منظورِ نظر اور ہاں میں ہاں ملانے والوں کی ہے۔ ان سرگرم کارکنوں، بنیادی کارکنوں کو جنھوں نے واقعی پارٹی کے لئے جدوجہد کی اور مصائب کا سامنا کیا اور جو صحیح طور پر ملک میں سوشلسٹ نظام قائم کرنا چاہتے ہیں، جان بوجھ کر کنونشن میں شامل نہیں کیا گیا۔ کراچی میں میرے جیسے لوگوں سے جنہوں نے پارٹی کو بنانے میں اپنی تمام تر قوتوں کو صرف کر دیا۔ مندوبین کے طور پر صحیح کارکنوں کو منتخب کرنے کے سلسلہ میں جمہوری طریقہ اختیار کرنے کے لئے مشورہ تک نہیں لیا گیا۔ لاہور میں مسٹر طارق عزیز جیسے انتہائی اہم کارکن اور ممتاز فنکار کو مندوبین میں شامل نہیں کیا گیا۔ کنونشن میں کس قسم کے سیاسی انتظامی معاملات پر بحث کی جائے گی۔ اس کا کسی کو علم نہیں کیونکہ ایجنڈہ نہیں دیا گیا اور اس طرح یہ اجتماع دراصل حکومت کی بعض پالیسیوں پر ربڑ اسٹمپ ثبت کرنے کے لئے ہوگا اور اس کا مقصد پارٹی سے رہنمائی حاصل کرنے کا نہیں ہے۔ ان حالات میں اور ان وجوہات کی بناء پر میں نے کل سے شروع ہونے والے کنونشن میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

مسٹر معراج محمد خان نے بنگلہ دیش کے بارے میں اپنی پوزیشن کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ میرے خیال میں جب تک بھارتی حکمران اور ڈھاکہ کی انتظامیہ جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل کی دونوں قراردادوں کو مکمل طور پر عملی جامہ نہ پہنائیں اس وقت تک بنگلہ دیش کو تسلیم نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کا مطلب ہے کہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے سوال پر صرف اسی وقت غور کیا جا سکتا ہے، جب پاک بھارت سرحدوں سے فوجیں واپس آجائیں۔ اور پاکستانی جنگی قیدی واپس گھروں میں آجائیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ عوام کی عام طور پر اور پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی رائے خاص طور پر یہی ہے۔ انھوں نے اپنے بیان میں کراچی اور دوسرے مقامات پر صنعتی مزدوروں پر کی جانے والی زیادتیوں پر صدر بھٹو کو توجہ دلائی۔ انھوں نے کہا کہ کراچی میں سینکڑوں کارکنوں کو جیل میں رکھا ہوا ہے۔ اور جو لوگ جیلوں میں ہیں ان کے خاندان کے لوگوں کو ہراساں کیا جا رہا ہے۔ اور بغیر مقدمہ چلائے حوالات میں رکھا جاتا ہے۔ گذشتہ تین چار روز میں بڑی تعداد میں ٹیلیفون آپریٹروں کو گرفتار کیا گیا اور تقریباً ڈیڑھ سو خاتون آپریٹروں کو حوالات میں بند کیا گیا ہے۔ پیپلز پارٹی کے صحیح کارکن اس صورتِ حال کو برداشت نہیں کر سکتے۔ مسٹر معراج محمد خان نے اپنے بیان میں صنعتی مزدوروں رہنماؤں، طلبہ اور سیاسی کارکنوں کو فوری طور پر رہا کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پارٹی اور

بقیہ: محنت کشوں کا معاشی قتلِ عام

سے کیا ہوتا ہے۔ اخباری بیانات اور خبروں کے بائیکاٹ سے کیا ہوتا ہے۔ سرحد، بلوچستان، سندھ اور پنجاب کے مزدور اس بات پر متفق ہیں کہ۔

(۱) پی آئی ڈی سی پنجاب کے مزدوروں کی تحریک ہڑتال پر پابندی کے خلاف بھی تھی، اسلئے یہ پاکستان بھر کے مزدور طبقہ کی تحریک کا ایک حصہ تھی

(۲) یہ تحریک نوکر شاہی جاگیردار سرمایہ دار طبقوں کے اتحادِ ثلاثہ کے خلاف مزدور طبقہ کی عظیم جنگ کا ایک حصہ تھی۔

(۳) یہ تحریک سندھ اور پنجاب کے مزدور طبقہ کے درمیان حقیقی رشتوں کی وضاحت کرتی ہے۔

(۴) کراچی اور پی آئی سی ڈی پنجاب کے مزدور طبقہ کی جدوجہد سیاسی تھی اور نوکر شاہی جاگیردار سرمایہ دار نے ان کے خلاف متحدہ محاذ بنا رکھا ہے۔

کیا کھویا کیا پایا؟

بعض پیشہ ور ٹریڈ یونینیسٹ اور بزدل ٹٹ پونجیئے مزدور تحریک کے بارے کہتے ہیں کہ یہ ناکام ہو گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے۔

(۱) پی آئی ڈی سی کے مزدوروں کی تحریک نے حکومت کی مزدور دوستی کے نقاب کو تار تار کر دیا ہے اور یہ بات واضح کر دی ہے کہ داؤد کو کھاد خریدنے کے بدلے کھاد فیکٹری ملتان سے ڈیڑھ کروڑ کی رعایت دینے والی نئی فیکٹری کا لائسنس دینے والی حکومت ایوب حکومت اور یحییٰ کا ضمیمہ ہے۔ پی آئی ڈی سی پر مسلط نوکر شاہی کے کل پرزوں پر بھروسہ

کرنے والی حکومت کبھی مشین ٹول فیکٹری کراچی اور کبھی ٹیکسلا میں تالابندی کرتی ہے، دراصل سرمایہ داروں کی محافظ ہے۔

براہ راست سرکاری تحویل میں چلنے والے ادارے کے مزدوروں کو کچلنے والی حکومت لاکھوں مزدوروں کو سرمایہ داروں کے استحصال سے نجات نہیں دلا سکتی۔

(۲) اس تحریک نے سندھ اور پنجاب کے مزدوروں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے اور یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔

(۳) تمام انقلابی جغادریوں، دانشوروں اور انقلابیوں کی حقیقت کھل چکی ہے۔ یہ واضح ہو گیا ہے کہ کون اصولی طور پر مزدور تحریک کو اپنا سمجھ کر آگے آیا ہے، اور کس نے گروہ پرستی کا ثبوت دیا ہے، یا کس کس نے اپنی طبقاتی بزدلی کو مصلحت کا نام دے کر ظالم اور مظلوم طبقات کی جنگ میں غیر جانبداری کا کتبہ تھام کر موقعہ پرستی کا ثبوت دیا ہے۔

(۴) یہ تحریک پنجاب بھر کے محنت کشوں کیلئے مشعل راہ ہے۔ اس تحریک نے ثابت کر دیا ہے کہ جب تک محنت کش عوام خود اپنی سیاسی طبقاتی پارٹی کے پرچم تلے متحد ہو کر جدوجہد نہیں کریں گے اور "سفران انقلاب" کے کہنے پر چلیں گے۔ تو ان کی جدوجہد کامیاب نہیں ہو گی۔

کراچی اور پنجاب میں پی آئی ڈی سی کے مزدوروں کی تحریک نے ثابت کر دیا ہے کہ انقلابی نظریات کو سائنس سمجھ کر عمل کرنے والے انقلابی دانشور، مزدور اور کسانوں کا اتحاد ضروری ہے۔ ایک انقلابی پارٹی کی ضرورت ہے۔ جو انقلابی نظریات کے مطابق انقلابیوں کو انقلابی نظم و ضبط میں مربوط رکھے۔ جس پارٹی کے گرد عوام کا وسیع تر متحدہ محاذ ہو۔ اور جو منظم مسلح قوت کی تشکیل کر سکے۔

چونکہ جب تک محنت کش عوام ایک منظم قوت بن کر نہیں ابھرتے۔ غیر استحصالی معاشرہ کا قیام ناممکن ہے۔ چونکہ منظم قوت کے بغیر عوام دشمن طبقات کا قلع قمع نہ ہو سکے گا۔ اور پھر ان عوام دشمنوں کی موجودگی میں استحصال کا خاتمہ ناممکنات میں سے ہے، اس لئے اب کراچی اور پی آئی ڈی سی پنجاب کے مزدوروں کو سندھ اور پنجاب کے مزدوروں کسانوں کو منظم کرنا ہو گا۔ ان کی اس تنظیم میں انقلابی طلبہ اور دانشوروں کو بھی آگے بڑھنا چاہیئے کیونکہ ان کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے۔

بقیہ: عالمی سیاست

پر ایران نے اپنی سمندری حدود کو بحر ہند تک وسیع کر دیا ہے۔ ان کارروائیوں سے ایک واضح تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔ کہ آسٹریلیا سے انڈونیشیا خلیج عرب سے جنوبی افریقہ تک کا راستہ امریکہ کے لئے صاف ہو جائے گا اور جزیرہ ڈائیگو گریشیا اس کا مرکز ہو گا۔ یوں بحر ہند پر امریکہ کا کنٹرول ہو جائے گا۔

دوسری جانب سوویت یونین بھی "گن بوٹ پالیسی" پر گامزن ہے بحر ہند پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کی دیرینہ خواہش ہے۔ ماضی میں روسی زاروں نے بھی بحر ہند پر حکمرانی کے خواب دیکھے اور اس کے پانی پر اپنا پرچم لہرانے کی متعدد بار کوششیں کیں۔ پیٹر اوّل زار روس نے ایک مرتبہ کہا تھا "سمندر۔ روس کو سمندر کی ضرورت ہے" سوویت یونین کا موجودہ حکمران ٹولہ اگرچہ سرخ پرچم تھامے ہوئے ہے، لیکن اس پرچم کے پیچھے پرانے زاروں کے چہرے جھلک رہے ہیں۔ اور یہ ٹولہ اس پرانی کہاوت "جس نے سمندر پر حکومت کی اس نے دنیا پر حکومت کی" پر عمل کر رہا ہے۔ بحر ہند پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کی کوشش اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اور سامراجیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بحر ہند کے ممالک کو "اقتصادی اور فوجی امداد" دے کر اپنے چنگل میں جکڑ لیا ہے۔

۱۹۶۷ء سے سوویت یونین نے بحر ہند میں اپنا اثر بڑھانا شروع کیا۔ ۱۹۶۸ء تک بحر ہند میں تین سوویت جہاز تھے۔ اب ان کی تعداد بیس کر دی گئی ہے۔ بھارت سے فوجی معاہدہ اور بنگلہ دیش کی مکمل حمایت کا مقصد بھارت اور بنگلہ دیش میں بحری اڈے قائم کرنا ہے۔ جزائر انڈیمان، نکوبار اور وزیکا پٹم میں روس بحری اڈے تعمیر کر رہا ہے۔ اس کے بحری جہاز بڑی آزادی سے بمبئی اور مدارس کی بندرگاہوں میں دندناتے پھرتے ہیں۔ چاٹگام کی بندرگاہ پر بھی اس کی اجارہ داری ہے۔ روس بحر ہند کے مشرق میں انڈونیشیا اور پرتگالی جزیرہ ٹیمر میں فوجی اڈے تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ اس کی کوشش ہے کہ جاپانی جنگ بازوں کے ساتھ مل کر انڈونیشیا اور ملائیشیا پہ دباؤ ڈالا جائے کہ وہ غیر اصولی طور پر آبنائے ملایا کو بین الاقوامی بحری راستہ قرار دینے کا مطالبہ کریں۔

بحر ہند کے مغرب میں سوویت یونین خلیج عدن پر قبضہ جمانا چاہتا ہے۔ اس طرح بحیرۂ قلزم اور نہر سویز پر اس کا کنٹرول ہو جائے گا۔ اور بحر ہند سے بحر اوقیانوس تک کا راستہ مکمل طور پر اس کے زیر اثر آ جائے گا "معاشی امداد" کی آڑ میں روس بحر ہند کے چند اہم جزیروں مثلاً سیچلس، سوکوٹرا اور ماریشس پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا چاہتا ہے۔ اور خلیج عرب کو اپنے دائرہ اثر میں لینے کے لئے اس نے عراق سے "دوستی" کا معاہدہ کیا ہے۔ برطانیہ کے ڈیلی ٹیلی گراف کے مطابق روس کے قدم بحر ہند اور بحیرہ قلزم کے ساتھ ساتھ ۱۴ ملکوں کی کم از کم ۲۲ بندرگاہوں تک پہنچ گئے ہیں۔

ایشیا اور افریقہ کے چھوٹے ممالک بحر ہند پر امریکی سامراج کی اجارہ داری چاہتے ہیں۔ اور نہ ہی سوویت یونین کی۔ وہ ان عالمی وڈیروں کی اس پالیسی سے نالاں ہیں۔ کیونکہ اس پالیسی کا مقصد ایشیا اور افریقہ کے چھوٹے ممالک کی آزادی اور خودمختاری کو ہڑپ کرنا ہے۔ سیلون اور زیمبیا امریکی سامراج اور سوویت سوشل سامراج کے توسیع پسندانہ منصوبوں کی مذمت کر چکے ہیں۔ سیلون کی وزیر اعظم مسز بندرا نائیکے اور چین کے وزیر اعظم چو این لائی نے بحر ہند کو "امن کا علاقہ" قرار دینے پر زور دیا ہے۔ ان حالات میں حکومت پاکستان کی سامراج نواز پالیسیاں، سنٹو میں رہنے پر اصرار اور سنٹو کی بحری مشقوں میں شرکت کا صرف ایک ہی نتیجہ برآمد ہو گا کہ پاکستان میں امریکی سامراج کا اثر بڑھے گا۔ اور وہ روس اور امریکہ کی باہمی کشمکش کا شکار ہو جائے گا۔ پاکستان جیسے چھوٹے ملک کا "پاور پالٹکس" میں حصہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ اس ملک کو عالمی وڈیروں کی کشمکش اور سازشوں کا گڑھ بنا دیا جائے۔ سنٹو میں رہنے کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان ایشیا اور افریقہ کے چھوٹے ملکوں سے کٹ جائے گا۔ حالانکہ پاکستان کا مستقبل ایشیا اور افریقہ سے وابستہ ہے۔ اس لئے لازمی ہے کہ حکومت پاکستان بھی بحر ہند کو "امن کا علاقہ" قرار دینے کا مطالبہ کرے اور سنٹو کو خدا حافظ کہہ دے جیسا کہ اس نے عوام سے وعدہ کیا تھا۔

Regd No : S.- 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
7. DECEMBER – 14. DECEMBER. 1972.